القاسم اکیڈمی • جامعہ ابوھریرہ

برانچ پوسٹ آفس خالق آباد ضلع نوشہرہ

مرویاتِ سیدہ عائشہ صدیقہؓ
و
سیدنا امیر معاویہؓ

مؤلف

مولانا سعید الرحمٰن علوی

پیش لفظ

مولانا عبد القیوم حقانی

ناشر

القاسم اکیڈمی جامعہ ابوہریرہ

برانچ پوسٹ آفس خالق آباد نوشہرہ سرحد پاکستان

نام کتاب	....	مرویات سیدہ عائشہؓ وسیدنا امیر معاویہؓ
تصنیف	....	مولانا سعید الرحمٰن علوی
پیش لفظ	....	مولانا عبدالقیوم حقانی
کمپوزنگ	....	جان محمد جان رُکن القاسم اکیڈمی
ضخامت	....	151 صفحات
تاریخ طباعت	....	ربیع الاوّل ۱۴۲۷ھ / اپریل 2006ء
ناشر	....	القاسم اکیڈمی جامعہ ابوہریرہ
		برانچ پوسٹ آفس خالق آباد نوشہرہ

83975

ملنے کے پتے

☆ صدیقی ٹرسٹ صدیقی ہاؤس المنظر اپارٹمنٹس 458 گارڈن ایسٹ ... لسبیلہ چوک کراچی

اس کے علاوہ اکوڑہ خٹک اور پشاور کے ہر کتب خانہ میں یہ کتاب دستیاب ہے

فہرستِ مضامین

مرویاتِ سیدہ عائشہ صدیقہ وسیدنا امیر معاویہ

رضی اللہ عنہما

اِنتساب

خداوندِ کریم کا صد ہزار شکر بجالاتا ہوں کہ اُس نے اپنے محبوبِ سبحانی آقائے دو جہاں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل میرے روحانی پیشوا، مرشد العلماء حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحب مدظلہٗ کے فیضانِ نظر سے مجھے انتہائی قابل ومکرم اساتذہ سے شرفِ تلمیذ عطا کیا اور مرحوم والدین میں یہ جذبۂ جلیلہ پیدا فرمایا کہ وہ ہمیں راہِ دین پر چلنے پر اُکسائیں اور اس راہِ مبین پر چراغِ راہ کا افضل کام سرانجام دیں، جس کی بدولت مجھے اس راہ پر برادرِ عزیز کی رفاقت نصیب ہوئی۔

میں اپنی اس کتاب کو ان تمام افراد کے محنتوں اور کاوشوں کی نظر کرتا ہوں، خدائے کریم اُنہیں جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔ (آمین)

حافظ محمد عزیز الرحمٰن خورشید

پیش لفظ

الحمد لحضرۃ الجلالۃ والصلوٰۃ والسلام علٰی خاتم الرسالہ۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا' کائنات میں ان کے مقامِ بلند و بالا سے کون واقف نہیں، مشہورِ کاتبِ وحی سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر کوئی بلیغ، فصیح اور فطین خطیب نہیں دیکھا۔ سیدہ عائشہؓ مزاج شناسِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ خلیفۂ اوّل سیدنا صدیق اکبر کی صاحبزادی ہیں۔ ان کے گھر میں دینِ رحمت کی بہاریں تھیں، پھر وہ وقت بھی آیا کہ حرمِ نبوی ﷺ میں پہنچ کر اُم المؤمنین کے لقبِ گرامی سے مشرف ہوئیں۔ کاشانہ نبوت میں آنے کے بعد نبوت سے انہیں براہِ راست اکتساب کا موقع ملا۔

یہی وجہ ہے کہ دین کا نصف حصہ ان سے منقول ہے۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پیار سے انہیں ''حمیرا'' فرماتے، ارشاد فرماتے عائشہ ہی ہیں جن کے بستر پر مجھ پر وحی آتی ہے اور انہیں خدا کا سلام آتا ہے۔ سورۂ نور کی آیات آپ کی براءت و مدح میں اتری ہیں، جو صبحِ قیامت تک ان کے لئے اعزاز ہے۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان علم و معرفت کے اس بحرِ بے کراں سے استفادہ فرماتے رہے اور یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہا جب تک صدیقہ کائنات دنیا میں تشریف فرما رہیں۔ اُمت کو آج بھی ان کی رہبری کی ضرورت بدرجۂ اتم ہے۔ ان کے علاوہ مشہور کاتبِ وحی خال المسلمین سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

نے سرکارِ دو عالم سے جو اکتسابِ فیض کیا ہے، اس کو اُمتِ مرحومہ تک آپ نے پہنچانے کا فریضہ انجام دیا ہے۔ ان سب احادیث کو مشہور مصنف صاحبِ قلم، ادیبِ شہیر حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ سے فیض یافتہ جناب حضرت مولانا سعید الرحمٰن علوی نے بہترین ترتیب کے ساتھ مرویاتِ عائشہ صدیقہؓ و مرویاتِ معاویہؓ کے نام سے جمع کیا تھا تاکہ اُمتِ مرحومہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فیضِ علم، اور روایاتِ حدیث سے بہرہ یاب ہو، جو ان کے ذریعے سے صحاحِ ستہ میں محفوظ ہے اور دیگر کتب میں بھی نقل کیے گئے ہیں۔

مولانا سعید الرحمٰن علوی' ایک بے باک مجاہد' نڈر عالم دین اور حق گو صاحبِ قلم تھے۔ احقر کی ان سے ملاقات نہیں تھی۔ ایک سٹیج پر دور سے ان کی زیارت وسماعت نصیب ہوئی تھی، مگر وہ یاروں کے یار اور ہم جیسے فقیر طالب علموں کے دلدار تھے۔ اپنے زمانۂ اکوڑہ خٹک میں جب قرطاس وقلم سے رشتہ مستحکم ہوا اور اپنی طالب علمانہ کاوشیں منظر عام پر آنے لگیں تو انہوں نے از خود ایک ارمغان کے طور پر احقر کی کتابوں پر تفصیلی تحریریں لکھیں اور جگہ جگہ مجھے ''اپنے نادیدہ دوست حقانی'' کے عنوان سے یاد فرماتے رہے اور ''حقانی کتابیں'' کے نام سے مستقل رسالہ تحریر فرمایا جو اولاً احقر کے قائم کردہ ادارۃ العلم والتحقیق اکوڑہ خٹک سے اور پھر القاسم اکیڈمی سے شائع ہوتا رہا۔

میں ان کی دید وملاقات کے لئے بے تاب تھا کہ وہ ربِّ تعالیٰ کے دیدار کے لئے عالم آخرت میں پہنچ گئے۔ اللہ بھلا کرے مولانا عزیز الرحمٰن خورشید کا کہ انہوں نے اپنے عظیم بھائی کی عظیم علمی وقلمی کاوش سنبھال کے رکھی اور آج القاسم اکیڈمی پر اعتماد کر کے اشاعت کی سعادت سے ہمیں سرفراز فرمارہے ہیں۔ مرویاتِ عائشہ صدیقہؓ اور مرویاتِ معاویہؓ کو مطبوعہ شکل میں پیش کرنے کی سعادت القاسم اکیڈمی کے حصہ میں آرہی ہے۔

یہ احادیث ایک گنج گراں مایہ ہیں۔ بہت سی تو مشہور معروف ہو کر زبانِ زد خاص وعام ہو چکی ہیں۔ اس کتاب میں ان کا تفصیلی بیان ہے۔ مثلاً ہمسائے کے حقوق سے کون

واقف نہیں، رشتہ داروں کے ساتھ حسنِ سلوک کو کون بھولا، یادِ الٰہی کی اہمیت کسے معلوم نہیں، زیارتِ قبور کو کون نہیں جاتا، حسنِ اخلاق کا چرچا کس کی زباں پر نہیں ہے، اپنی ذات کے معاملہ میں نرم مگر ظالم کے ساتھ سختی کو کون ہے جو خوش بختی کی علامت نہیں سمجھتا ہے۔ یہ سب مرویاتِ سیدہ عائشہؓ ہیں۔ لاریب ....

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزمِ حق و باطل ہو تو فولاد ہے مؤمن

اسی حدیث کی ترجمانی ہے۔ اسی طرح مرویاتِ معاویہؓ میں بھی مشہور و مسلّم باتیں سب کو معلوم ہے۔ فہمِ دین کی اہمیت سے کون نا آشنا ہے، قیامت کے دن مؤذن کے اکرام سے کس نے انکار کیا، اُمت مسلمہ کی حریت کا کون خواہاں نہیں، رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جھوٹ کی نسبت کرنے والے کے برے انجام سے کون واقف نہیں، بیماری گناہوں کا کفارہ ہے، سب کو معلوم ہے۔ یہ سب شافع صلی اللہ علیہ وسلم یوم النشور کا فیض کس کے ذریعے اُمت تک پہنچا، یہ سیدنا امیر معاویہ ہیں۔

اُمید ہے کہ مصنف کی یہ کتاب نہ صرف خاص حلقوں سے بلکہ عوام الناس سے بھی خراجِ تحسین وصول کریگی۔ جدید نسلیں اس سے استفادہ کرسکیں گی۔ یقیناً نجات دینِ اسلام کو ماننے کے ساتھ اس پر عمل کرنے میں ہے۔ عمل میں اخلاص رسولِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیثِ کریمہ کے پڑھنے سے آتا ہے، گواہی چاہیے تو کتاب شروع کیجئے اور مصنف کا اخلاص محسوس کیجئے۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد و آلہ وصحبہ اجمعین۔

عبدالقیوم حقانی

صدر القاسم اکیڈمی جامعہ ابوہریرہ خالق آباد نوشہرہ

۱۵/صفر المظفر ۱۴۲۷ھ/16/مارچ 2006ء

تشکّر وامتنان

میرے عزیز بھائی مولانا قاری سعید الرحمٰن علوی مرحوم ایک طویل عرصہ امیر انجمن خدام الدین حضرت مولانا عبید اللہؒ کے حکم کے مطابق انجمن کے جریدہ ہفت روزہ خدام الدین کی ادارت کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ ان کے دورِ ادارت میں خدام الدین کے دو ضخیم نمبر شائع ہوئے، بانی انجمن خدام الدین حضرت شیخ التفسیر نمبر اور تحریکِ ختم نبوت کے امیر حضرت بنوریؒ نمبر۔

اس کے علاوہ مختلف علمی اور اصلاحی مضامین خدام الدین کی زینت بنتے رہے۔ مرحوم نے احادیث کے حوالے سے کاتبِ وحی امامِ عادل سیدنا امیر معاویہؓ کی روایات سے چالیس روایات اور اُمہات المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ کی روایات سے چالیس روایات مرتب کر کے خدام الدین میں بہ تشریح شائع کیں۔ زندگی میں ان کی خواہش تھی کہ ان روایات کو کتابی شکل میں احاطۂ تحریر میں لائیں، مگر ربّ کریم کی طرف سے اُن کو بلاوا آ گیا۔ میں نے تہی دامن ہونے کے باوجود عزم کیا کہ ان کی خواہش کو عملی جامہ پہناؤں۔

چنانچہ یہ مجموعہ ترتیب دے کر میں نے جامعہ ابوہریرہ خالق آباد کے سرپرستِ

اعلیٰ عظیم اسکالر مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب دامت برکاتہم کی خدمت میں نظر ثانی کے لئے پیش کیا، جنہوں نے اس کی پروف ریڈنگ کا کام اپنے اُستاد اور میرے مہربان حضرت مولانا محمد زمان صاحب کے سُپرد کیا، جنہوں نے بڑی عرق ریزی سے نہ صرف یہ فریضہ سر انجام دیا بلکہ بہت سارے معاملات میں مؤثر رہنمائی بھی فرمائی۔

میں اس سلسلے میں جہاں حضرت مولانا محمد زمان صاحب کا شکر گزار ہوں، وہاں القاسم اکیڈمی کے روحِ رواں اپنے مخلص و مہربان حضرت حقانی صاحب کا بھی دل کی گہرائیوں سے شکریہ ادا کرتا ہوں کہ اُنہوں نے اپنے سیّال قلم سے اس کتاب کے لئے پیش لفظ تحریر فرمایا اور اس نیک کام کے سلسلہ میں مجھے حوصلہ دیا اور کتاب کا القاسم اکیڈمی کی طرف سے شائع کرنے کا ذمہ لیا۔ میں اس پر دل کی اتھاہ گہرائیوں سے ان کا شکر گزار ہوں اور دعا گو ہوں کہ خداوند کریم اکیڈمی کے سرپرستِ اعلیٰ اور دیگر کارکنان کو اجرِ عظیم عطا فرمائے۔

(آمین بحرمة سید المرسلین علیه التحیة و التسلیم)

(مولانا) عزیز الرحمٰن خورشید علوی

خطیب جامع مسجد فاروقیہ (فاروقِ اعظم روڈ) ملک وال

منڈی بہاؤالدین

مرویات سیدہ عائشہ صدیقہ

رضی اللہ تعالیٰ عنہا

ہمسائے کے حقوق :

(۱) عَنِ ابْنِ عُمَرَ وَ عَائِشَةَ رضی اللّٰہ تعالی عنہما قَالَاقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللّٰہ تَعَالیٰ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا زَالَ جِبْرِیْلُ یُوْصِیْنِیْ بِالْجَارِ حَتّٰی ظَنَنْتُ اَنَّهٗ سَیُوَرِّثُهٗ. (بخاری ومسلم)

ترجمہ: حضرت ابن عمر اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا دونوں سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کہ جبریل امین علیہ السلام مجھے برابر ہمسایہ کے بارے میں وصیت کرتے رہے یہاں تک کہ مجھے خیال ہوا کہ کہیں اس کو وارث نہ بنادیں۔

اسلام میں مختلف طبقات کے جو حقوق ہیں ان پر تفصیل سے کلام کیا جائے تو دفاتر تیار ہو سکتے ہیں۔ان طبقات میں پڑوسی بھی ہیں جن کے حقوق پر اسلام نے بہت زور دیا اسی حدیث کو آپ ایک بار پھر ملاحظہ فرمائیں کہ آپ کیا ارشاد فرمارہے ہیں-----؟ فرماتے ہیں کہ جبریل امین علیہ السلام ہمسائے کے بارے میں برابر وصیت کرتے رہے یہاں تک کہ مجھے خیال ہونے لگا کہ کہیں اس کو وارث نہ بنا دیا جائے۔قرآن کریم میں سورہ نساء میں ایک موقع پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ’’عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور اچھا سلوک کرو والدین کے ساتھ اور رشتہ داروں کے ساتھ اور یتامیٰ اور مساکین کے ساتھ اور قریبی پڑوسی کے ساتھ اور دور کے ہمسایہ کے ساتھ‘‘۔الخ۔

گویا قرآن کریم نے بھی اس مسئلہ کی طرف خاص طور پر توجہ دلائی اور قریبی ہمسایہ کو چھوڑ کر دُور کے ہمسایہ

کے ساتھ بھی حسنِ سلوک واحسان اور مروّت کا حکم دیا۔

مسلم شریف کی ایک روایت میں ہے کہ آپ نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ جب تم گوشت وغیرہ کھاؤ تو شوربہ کے لئے پانی زیادہ ڈال دو اپنے پڑوسی کی خبر لو۔

بخاری و مسلم کی ایک متفقہ روایت ہے جس کے راوی مشہور صحابی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بخدا وہ شخص مومن نہیں۔ (تین بار آپ ﷺ نے یہ فرمایا۔ تو ظاہر ہے کہ زبردست تجسّس پیدا ہوا کہ ایسا کون ہے، جو مسلمان نہیں اور جس کے متعلق آپ بار بار قسم کھا کر فرما رہے ہیں کہ وہ مومن نہیں) چنانچہ پوچھا گیا کہ کون مومن نہیں؟ تو فرمایا وہ شخص جس کی شرارتوں سے اس کا پڑوسی محفوظ نہ ہو۔

اسی کے قریب ایک دوسری روایت ہے جس میں یہ الفاظ ہیں کہ وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ الخ۔

بخاری و مسلم کی ایک اور روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہیے کہ وہ پڑوسی کو تکلیف نہ دے۔ (اس روایت کے راوی بھی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں)

اور حضرت ابوشریح النزاعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ جو اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہیئے کہ اپنے پڑوسی کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔

الغرض یہ تمام ارشاداتِ قرآنی اور احادیث نبوی اپنے مفہوم کے اعتبار سے بالکل واضح ہیں لیکن اب اس ترقی پذیر دنیا میں نفسی نفسی کا جو حال ہے وہ بڑا ہی افسوسناک ہے بلکہ شرمناک ہے۔۔۔ یہ واقعات آنکھوں دیکھے ہیں کہ ایک کوٹھی میں جنازہ ہوگیا اور پڑوس والے اپنی دنیا میں مست ہیں۔ اور جس معاشرہ انسانوں کے گلے گھونٹ کر انہیں لب سڑک پھینک دیا جائے، اور کئی کئی دن انہیں سنبھالنے والا کوئی نہ ہو، اس معاشرے کے افراد پڑوسیوں کے معاملہ میں اسلامی احکامات پر کیسے عمل کریں گے؟

آج ہمارے معاشرہ میں پڑوسی کو جس ذہنی کرب اور تکلیف میں مبتلا ہونا پڑتا ہے اس کا اندازہ اس سے بآسانی لگایا جاسکتا ہے کہ ریڈیو، ٹی وی اور اس نوع کے دوسرے آلات لہوولب پورے زور شور سے

بجائے جاتے ہیں اور اس بات کا قطعاً احساس نہیں کیا جاتا کہ پڑوس میں کوئی بیمار ہوگا، کوئی ذہنی و دماغی کام کرنے والا ہوگا، کوئی طالب علم مصروف مطالعہ ہوگا" ایک آدمی دن بھر کام کر کے تھک ہار کر چارپائی پر لیٹتا ہے لیکن "شریف پڑوسی" گانا سننے میں مست ہے اور یہ چارپائی پر کروٹیں بدل بدل کر جی ہی جی میں اس کو کوس رہا ہے؟

ہمارے معاشرہ میں ایسے ستم ظریف لوگوں کی کمی نہیں جو مسجد کے لاؤڈ سپیکر پر ہونے والی اذان اور درس و خطبہ پر ناک منہ چڑھاتے ہیں لیکن گلی محلہ میں یہ شیطانی شور و غوغا پورے جوبن پر ہوتا ہے اور بستی و محلہ کے کسی مقتداء تک کو توفیق نہیں ہوتی کہ اس کا سدِباب کرے۔ اور تو اور مسجد کے پڑوس میں جو کچھ ہوتا ہے وہ بھی ایک المیہ سے کم نہیں۔ مسجد کی دوکان کا کرایہ دار ریڈیو بجائے، پڑوس میں رہنے والا نماز سے الگ تھلک رہ کر گھر میں ایسے مراسم بجالائے کہ نمازیوں کو نماز پڑھنا دوبھر ہو جائے۔ سب کچھ ہمارے معاشرہ میں ہوتا ہے لیکن کسی کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی ان معاشرتی برائیوں کو سامنے رکھ کر پھر ارشادات نبوت کا مطالعہ کریں تو شاید کوئی احساس کی صورت پیدا ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ اصلاح احوال کی توفیق مرحمت فرمائے۔

رشتہ کی محافظت اور رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک :

(۲) عَنْ عَائِشَۃَ رضی اللّٰہ تعالی عنھا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اَلرَّحِمُ مُعَلَّقَۃٌ بِالْعَرْشِ تَقُوْلُ مَنْ وَّصَلَنِیْ وَصَلَہُ اللّٰہُ وَ مَنْ قَطَعَنِیْ قَطَعَہُ اللّٰہُ۔

(بخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رشتہ عرش سے معلّق ہے اور کہتا ہے جو مجھے جوڑے گا اللہ اس کو جوڑے گا اور جو مجھ کو کاٹے گا اللہ اس کو کاٹے گا۔

رشتہ کی محافظت اور رشتہ داروں کے ساتھ حسنِ سلوک اسلامی نقطہ نظر سے بہت اہم ہے۔ قرآن کریم نے جابجا رشتہ داروں کے ساتھ احسان و حسنِ سلوک کی تلقین فرمائی ہے۔ مثلاً سورۂ نساء میں ہے کہ حسن سلوک کا رویہ اختیار کرو والدین کے ساتھ اور رشتہ داروں کے ساتھ ..... بنی اسرائیل کے میثاق کا قرآن کریم میں جہاں جہاں ذکر ہے .... وہاں رشتہ داروں کے ساتھ حسنِ سلوک کی بھی تلقین ہے۔

سورہ نساء کی بالکل ابتدائی آیت میں اللہ تعالےٰ سے ڈرنے کا ذکر ہے اور اس کے ساتھ ہی "الارحام" یعنی عزیزوں میں رشتہ داروں کے معاملہ میں احتیاط کی تلقین فرمائی ہے...... سورہ بقرہ کے تیسرے رکوع میں ہے کہ قرآن کریم ایسی کتاب ہے جو بہت سے لوگوں کی ہدایت کا ذریعہ بنتی ہے (جو چاہیں) اور بہت سے لوگ گمراہی کا شکار ہو جاتے ہیں (جو قرآن کے معاملہ میں خلوص و دیانت کا مظاہرہ نہیں کرتے اور اس سے انحراف وروگردانی کرتے ہیں) آگے فرمایا ضلالت وگمراہی کا وہ شکار ہوتے ہیں جو فاسق ہیں۔ اور فاسقوں کی جونشانیاں ذکر کیں ان میں ایک یہ ہے وَ يَقْطَعُونَ مَا اَمَرَاللّٰهُ بِهِ اَنْ يُوصَلَ یعنی جس چیز کے جوڑنے کا اللہ نے حکم دیا اس کو وہ لوگ توڑتے ہیں۔

حدیث میں ہے...... جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے لایدخل الجنة قاطع کہ قطع رحمی کرنے والا داخل جنت نہیں ہوگا۔ ایک حدیث میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ مخلوق کو پیدا کرنے کے بعد فارغ ہوئے تو "رحم" نے درخواست کی کہ میں آپ کی پناہ میں آتی ہوں قطع رحمی کرنے والے سے۔ اس پر حضرت حق جل مجدہٗ نے فرمایا کہ کیا تو اس بات پر راضی نہیں کہ میں اسے جوڑوں جو تجھے جوڑے اور میں بھی اس سے کٹ جاؤں جو تجھے کاٹے۔ (بخاری ومسلم)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا کہ جو آدمی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اس کے رزق میں فراخی ہو۔ اور اس کی عمر میں برکت ہو تو اسے صلۂ رحمی پر کاربند ہو جانا چاہیے۔ (بخاری ومسلم)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صاجزادی حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے نبی کریم علیہ السلام سے پوچھا کہ میری ماں میرے پاس آتی ہے جو ابھی مشرکہ ہے تو کیا اس کے ساتھ حسن سلوک کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا صِلِی اُمَّکِ کہ ہاں اپنی ماں کے ساتھ صلہ رحمی کرو۔

حضرت ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک طویل روایت ہے جس کو امام بخاری ومسلم رحمہما اللہ تعالیٰ نے نقل کیا' اس روایت کا تعلق شاہ روم ہرقل سے ہے جبکہ اس کے پاس حضور علیہ السلام کا دعوت نامہ پہنچا تو اس نے اس علاقہ کے لوگوں کی تلاش کی' تو حضرت ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ تجارتی قافلہ کے قائد کی حیثیت سے وہاں موجود تھے۔ (یادرہے کہ اس وقت حضرت ابوسفیان مسلمان نہ ہوئے تھے۔ اس لئے ہرقل

نے ان سے دعوت نامہ بھیجنے والی ذات اقدس کے متعلق تفصیلی گفتگو کی اس موقعہ پر اس طرف توجہ دلانا ضروری ہے کہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بعد میں مسلمان ہو گئے۔ حضور علیہ السلام نے ان کو شرف واعزاز سے نوازا۔ خسر نبی ﷺ ہونے کا شرف پہلے ہی تھا۔ فتح مکہ کے موقع پر آپ ﷺ نے ان کے گھر کو ''دارالامن'' قرار دیا۔ بعد میں حنین کی جنگ کے موقع پر ایک ابتلاء کے سبب جب صحابہ اکرامؓ کو پیچھے ہٹنا پڑا تو جو چند حضرات جم کر رہے ان میں حضرت ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے۔ آپ نے حضور علیہ السلام کی زندگی اور بعد میں اسلام کی بے پناہ خدمت کی اور جنگ میں اپنی ایک آنکھ سے بھی محروم ہو گئے مسلمانوں کا ایک طبقہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے خاندان کے دوسرے جلیل القدر مسلمانوں کے متعلق انتہائی بے احتیاطی کا مظاہرہ کرتا ہے جو اپنے آپ پر انتہائی ظلم ہے اور اس طرح ایمان کی بربادی کا خطرہ ہے کہ یہ حضرات صحابہ کرام علیہم الرضوان کی مقدس جماعت کے فرد ہیں (فرضی اللہ عنہم) ان سے جب ہرقل نے تعلیم نبوی کے متعلق سوال کیا تو آپ نے کہا کہ وہ نبی تنہا ایک خدا کی عبادت کا حکم دیتے ہیں۔ آباء اجداد کی رسوم سے روکتے ہیں۔ نماز، سچائی، عفت وعصمت اور صلہ رحمی کا حکم دیتے ہیں۔ الغرض قرآن وسنت کے متعدد وبے پناہ ارشادات اس سلسلہ میں موجود ہیں۔

رشتہ داروں کی فہرست طویل ہے۔ والدین اور اولاد کے علاوہ رشتہ داروں کی متعدد اقسام ہیں۔ جن کے الگ الگ احکام ہیں، جن کی تفصیل کا یہ وقت نہیں۔ ایک اصولی بات حدیثی نقطہء نظر سے عرض کر کے سلسلۂ کلام ختم کرتا ہوں آپ ﷺ نے فرمایا جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہیں کرتا اور بڑوں کا احترام بجا نہیں لاتا اس کا ہم سے کوئی تعلق نہیں۔

یہ مختصر ارشاد نبوی ﷺ حقوق وفرائض کے معاملہ میں تنہا بڑا جامع ہے۔ اللہ تعالیٰ حسن عمل کی توفیق بخشے آمین!!

یادالٰہی :

(۳) عَنْ عَائِشَۃَ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بَعَثَ رَجُلًا عَلٰی سَرِیَّۃٍ فَکَانَ یَقْرَأُ لِاَصْحَابِہٖ فِیْ صَلَاتِہِمْ فَیَخْتِمُ بِقُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ'' فَلَمَّا رَجَعُوْا ذَکَرُوْا ذَالِکَ لِرَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فَقَالَ سَلُوْہُ لِاَیِّ شَیْءٍ

یَصْنَعُ ذَالِکَ ؟ فَسَأَلُوْهُ فَقَالَ لِاَنَّهَا صِفَةُ الرَّحْمٰنِ فَاَنَا اُحِبُّ اَنْ اَقْرَأَ بِهَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم اَخْبِرُوْهُ ،اَنَّ اللّٰهَ تَعَالیٰ یُحِبُّهٗ. (بخاری ومسلم)

ترجمہ : حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ایک آدمی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی سریہ (وہ جنگ جو بعہد نبوی ﷺ ہوتی تھی لیکن آپ ﷺ اس میں شرکت نہ فرماتے اور جس میں آپ ﷺ شریک ہوتے اسے غزوہ کہتے ہیں) پر بھیجا' جب وہ لوگوں کو نماز پڑھاتے تھے اور ہر نماز کو' قل ھو اللہ احـد '' پر ختم کرتے تھے۔ جب لوگ سریہ سے واپس ہوئے تو اس کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلام سے کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ ان سے پوچھو ایسا کیوں کرتے تھے؟ جب ان سے دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ اس میں رحمان (اللہ تعالیٰ) کی صفت ہے۔ چاہتا ہوں کہ اسے ہی پڑھا کروں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ان کو خبر کردو کہ اللہ ان سے محبت کرتا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کا تعلق اپنے بندوں کے ساتھ ایسا ہے کہ بندہ اپنے مالک سے جس قسم کا گمان رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے ویسا ہی سلوک کرتے ہیں۔

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ میں اپنے بندہ کے ساتھ اس کے گمان کے مطابق سلوک کرتا ہوں۔ چونکہ یہ بندہء خدا سورہء اخلاص بکثرت پڑھتے اور بار بار پڑھتے محض اس لئے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اس لیے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو خبر کردو کہ خدا بھی اس سے محبت کرتا ہے۔

قرآن کریم میں ہے کہ تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا (البقرہ) اور اللہ تعالیٰ کا یاد کرنا تو ایسا ہے کہ وہ فرشتوں کی نورانی مخلوق میں اپنے بندوں کا ذکر کرتے ہیں اور اس پر فخر بھی فرماتے ہیں۔ بندہ چل کر ان کی طرف جاتا ہے تو وہ بندہ کی طرف دوڑ کر متوجہ ہوتے ہیں۔

کس قدر مقامِ تاسف ہے کہ اللہ کی پاک ذات جس نے ہم سب کو پیدا کیا۔ ہر قسم کی نعمتوں سے نوازا اور بن مانگے ہماری تمام ضروریات پوری کیں۔ اس سے ہم غافل و دُور رہیں اور اس کے دروازہ پر نہ جھکیں؟ حقیقت یہ ہے کہ مولائے قدوس کی بے پایاں رحمت بہانے ڈھونڈتی ہے۔

ع رحمت حق بہانہ مے جوید

وہ ایک ایسی عورت کو معاف فرما دیتی ہے جس نے ساری عمر اپنی عصمت کا آبگینہ چکنا چور کیا لیکن اس نے ایک پیاسے کتے کی پیاس بجھانے کا جب اہتمام کیا تو اللہ تعالیٰ کو اس پر رحم آ گیا۔

حضور علیہ السلام کا ارشادِ گرامی ہے کہ تم زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔

لیکن ہم رحم، ایثار، قربانی، ہمدردی اور غمخواری کے بجائے ظلم وزیادتی، شرارت، قتل وغارت گری اور لوٹ کھسوٹ کے عادی ہو چکے ہیں۔ اس کی وجہ محض یہی ہے کہ ہمیں اپنے رب سے سچی محبت نہیں۔ مشرکین ومعاندینِ حق کو اپنے جھوٹے معبودوں سے جب بھی محبت تھی اب بھی ہے۔ اس کے مقابلہ میں قرآن کریم نے اس دور کے مسلمانوں کا نقشہ کھینچا کہ انھیں اللہ تعالیٰ سے بہت زیادہ محبت ہے (البقرہ) اتنی محبت کہ کوئی تجارت کوئی کاروبار انہیں خدا کی یادو بندگی سے غافل نہیں کر سکتا۔ (نور)۔

لیکن آج کے ہم مسلمان...... اپنے معبودِ حقیقی سے کتنے دُور ہیں؟ اس کی یاد سے کتنے غافل ہیں؟ نماز نہ روزہ، سچائی نہ دیانت، پھر پریشانیاں اور دُکھ گھیر لیتے ہیں۔ دلوں کا اطمینان رخصت ہو جاتا ہے۔ سکون وطمانیت کی زندگی سے ہم محروم ہو جاتے ہیں ان سب چیزوں کا علاج ''یادِ الٰہی'' میں ہے۔ ''خبردار! اللہ کا ذکر دلوں کو اطمینان نصیب کرتا ہے'' (رعد) حضور علیہ السلام ہمہ وقت یادِ الٰہی میں مشغول رہتے اور آپ ﷺ نے امت کو بھی حکم دیا، کہ تمہاری زبان اس کی یادو ذکر سے تر رہنی چاہیے۔

کتنے خوش نصیب تھے وہ لوگ جو صفت رحمٰن کی بار بار تکرار کی وجہ سے اللہ کے محبوب بن گئے اور رسول برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں خوشخبری دی۔ کاش! کہ ہم بھی ان سنہری اعمال کو اپنا کر گوہرِ مراد حاصل کر سکیں۔

زیارتِ قبور :

(۴) عَنْ عَائِشَةَ رضی اللّٰہ تعالی عنہا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ و سلم كُلَّمَا كَانَ لَيْلَتُهَا مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم يَخْرُجُ مِنْ اٰخِرِ اللَّيْلِ اِلَى الْبَقِيْعِ فَيَقُوْلُ : اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ دَارَ قَوْمٍ مُؤْمِنِيْنَ وَمَا اَتَاكُمْ مَاتُوْعَدُوْنَ غَدًا مُؤَجَّلُوْنَ، وَ اِنَّا اِنْشَآءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَا حِقُوْنَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِاَ هْلِ بَقِيْعِ الْغَرْقَدِ. (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے جب ان کی باری ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم آخر شب کو بقیع کی طرف تشریف لے جاتے تھے اور فرماتے تھے السلام علیکم۔ الخ۔

(جس کا ترجمہ ہے) اے مسلمان بستی والو! تم پر سلامتی ہو‘ تمہارے پاس وہ چیز آئے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے کل کو (یعنی قیامت کے دن کو) اور تم کو مہلت دی گئی ایک مدت معین تک‘ ہم بھی تم سے اگر اللہ نے چاہا ملنے والے ہیں‘ اے اللہ! بقیع والوں کو بخش دے۔

زیارتِ قبور کا مسئلہ اس حدیث میں بیان فرمایا گیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ارشاد گرامی یہ ہے کہ جس دن میری باری ہوتی آپ بقیع تشریف لے جاتے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ دوسرے ایام میں ایسا نہیں ہوتا تھا۔ حضرت عائشہ محض اپنا مشاہدہ بیان فرما رہی ہیں ورنہ آپ کی عادت مبارکہ بکثرت تشریف لے جانے کی تھی۔

بقیع مدینہ طیبہ کا قبرستان ہے اس میں آپ جاتے اور اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جانا آخری شب میں ہوتا تھا۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ باقی اوقات میں آپ نہیں جاتے تھے۔ دوسرے اوقات میں جانا اور اس کی تلقین کرنا بھی ثابت ہے۔

آپ ﷺ امت کے افراد کو بکثرت موت کی یاد کی طرف توجہ دلاتے کیونکہ اس سے خواہشات ولذّات دنیوی کا قلع قمع ہوتا ہے حدیث کے الفاظ ہیں اُذْكُرُوْا هَازِمَ اللَّذَّاتِ الْمَوْتُ یعنی بکثرت یاد کرو اس چیز کو جو لذات کا قلع قمع کرنے والی ہے یعنی موت کو۔

حضرت علی کرّم اللہ تعالیٰ وجہہ کا ایک ارشاد ہے جو آپ سے منقول ہے کہ آپ ﷺ نے قبرستان جا کر اہل قبور کو مخاطب کر کے فرمایا اس میں نِسَاءُكُمْ زُوِّجَتْ وَاَمْوَالُكُمْ قُسِّمَتْ یعنی تمہاری بیویوں نے دوسروں سے نکاح کر لیا اور تمہارا مال تمہارے وارثوں میں تقسیم ہو گیا۔

انسان جب قبرستان جاتا ہے تو اسے دنیا کی بے ثباتی کا اندازہ ہوتا ہے جیسا کہ ایک عارف کا ارشاد ہے ....

یہ سرائے دہر ہے مسافرو بخدا کسی کا مکاں نہیں
جو مقیم اس میں تھے کل یہاں کہیں آج ان کا نشاں نہیں

البتہ یہ بات ملحوظِ خاطر رہے کہ وہاں جا کر سب سے پہلے تو یہ دعا پڑھے جس کا اس حدیث میں ذکر ہے اس کے بعد بقدر ہمت قرآن کریم‘ کلمہ طیبہ وغیرہ جو پڑھ سکے پڑھ کر ایصالِ ثواب کرے

۔قبور پر جھکنا' وہاں سجدہ کرنا' چراغ و بتی جلانا وغیرہ امور قطعاً ناجائز اور حرام ہیں۔

حدیث میں حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے : لَعنَ زائرات القبورِ و المُتخذِين عليها سُرُجًا کہ وہ عورتیں جو قبرستان جاتی ہیں مستحق لعنت ہیں اسی طرح وہ لوگ مستحق لعنت ہیں جو ان پر چراغ جلاتے ہیں۔ مستورات کے لیے وہاں جانے کی ممانعت اس حدیث میں واضح طور پر موجود ہے۔ اسی طرح چراغ جلانے کے ساتھ ہی قبروں پر چادریں چڑھانا' پھول چڑھانا' پکی قبریں بنانا وغیرہ سب امور ناجائز ہیں۔ قبر کچی ہو' اونٹ کی کوہان کی مانند ہو اس پر اُگ جانے والی قدرتی گھاس وغیرہ کو چھیڑنا نہ چاہیے کہ اس کا میّت کو فائدہ ہوتا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے دو اہل قبور کی قبروں پر ہری ٹہنی تقسیم کر کے رکھ دی اور فرمایا جب تک یہ ہری رہے گی ان کے عذاب میں تخفیف رہے گی بہرحال جو مقصد ہے وہ یہ ہے کہ وہاں سنّت کے طریق پر جایا جائے اور وہاں ایصالِ ثواب کیا جائے اور بس !

حُسنِ اخلاق :

(۵) عَنْ عَائِشَةَ رضی اللّٰه تعالىٰ عنها قَالَتْ . قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى اللّٰه تعالىٰ عليه و سلم يَقُوْلُ اِنَّ الْمُؤْمِنَ لِيُدْرِكُ بِحُسْنِ خُلُقِه دَرَجَةَ الصَّائِمِ الْقَائِمِ. (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا ہے ، آپ ﷺ ارشاد فرماتے تھے، کہ مومن اچھے اخلاق کے ذریعہ مسلسل روزہ رکھنے والے عابد کا درجہ پالیتا ہے ۔

اس حدیث میں حُسنِ اخلاق کی تعریف فرمائی گئی ہے۔ قرآن مجید میں حضور علیہ السلام کو اللہ رب العزت نے مخاطب کر کے فرمایا : وَ اِنَّکَ لَعَلیٰ خُلُقٍ عَظِیمٍ (ن ۴) کہ اے پیغمبر (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) ہم نے آپ ﷺ کو اچھے اخلاق کے ساتھ پیدا فرمایا۔ اور ایک حدیث میں آپ ﷺ نے اپنے متعلق خود ارشاد فرمایا کہ "میں دنیا میں اچھے اخلاق کی تکمیل کرنے آیا ہوں"۔

بخاری و مسلم کی ایک روایت ہے جس کے راوی حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں کہ

''لوگوں میں سب سے اچھا وہ ہے جو اخلاق کے اعتبار سے اچھا ہو''۔

حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک روایت ہے کہ میں نے نبی کریم علیہ السلام سے نیکی و گناہ کے متعلق سوال کیا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ نیکی حُسنِ اخلاق کا نام ہے اور گناہ کی حقیقت یہ ہے کہ جو چیز تیرے دل میں کانٹے کی طرح چُبھے اور انسان اس چیز کو ناپسند کرے کہ لوگ اس سے مطلع ہو جائیں۔ (مسلم)

امام ترمذی نے ایک صحیح و حسن حدیث روایت کی جس کے راوی حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ اس میں ہے کہ قیامت کے دن میزان و ترازو کے اندر حسنِ اخلاق سے زیادہ کوئی چیز وزنی نہ ہو گی۔

اسی طرح بخاری و مسلم کی مشترکہ روایت کا ایک ٹکڑا ہے جس کے راوی حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہیں اس میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تم میں سب سے اچھا وہ ہے جس کے اخلاق اچھے ہوں۔

امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک صحیح و حسن حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کی وہ فرماتے ہیں کہ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ جو لوگ جنّت میں داخل ہوں گے ان میں اکثریت کس قسم کے لوگوں کی ہوگی؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: تَقْوَی اللّٰهِ وَ حُسْنُ الْخُلُقِ یعنی اللہ سے ڈرنے والے اور اچھے اخلاق کے مالک بکثرت جنّت میں داخل ہوں گے۔

اسی طرح امام موصوف نے صحابی مذکور سے ایک اور روایت نقل کی جس میں ہے کہ مسلمانوں میں ایمان کے اعتبار سے کامل ترین وہ لوگ ہیں جن کے اخلاق اچھے ہوں۔

امام ابوداؤد علیہ الرحمہ نے ایک طویل حدیث نقل کی جس کے راوی حضرت ابو امامہ باھلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں اس کا ایک ٹکڑا ہے کہ جنت میں انتہائی بلندی پر وہ لوگ ہوں گے جن کے اخلاق اچھے ہیں۔ ان تمام روایات سے حُسنِ اخلاق کی قدر و قیمت کا اندازہ ہوتا ہے جبکہ حضور علیہ السلام کا اپنا عمل یہ تھا کہ آپ ﷺ ہمیشہ ہر ایک سے حسنِ اخلاق کا مظاہرہ فرماتے' اپنے تو اپنے تھے بیگانوں سے بھی آپ ﷺ کا طرزِ عمل مثالی تھا اور وہ بھی آپ ﷺ کے حسنِ اخلاق کے معترف تھے۔ طائف و اُحد کے خونی حالات میں آپ ﷺ نے بددعا نہیں کی دُعا کی اور بددعا کے لئے جن لوگوں نے

83875

درخواست کی انہیں جواب دیا کہ میں دنیا میں رحمت ونرمی کے لیے آیا ہوں لعنت وملامت کے لیے نہیں۔آپ ﷺ کے قولی وفعلی ارشادات میں ہمارے لیے انتہائی قیمتی اسباق ہیں اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت تو گویا انتہا ہے کہ اچھے اخلاق کا مالک مسلسل روزہ رکھنے والے عابد کا درجہ حاصل کرلیتا ہے۔

نرم رویہ :

(۲) عَنْ عَائِشَةَ رضی اللّٰه تعالٰی عنها قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللّٰه تعالٰی علیه و سلم اِنَّ اللّٰهَ رِفْقٌ" يُحِبُّ الرِّفْقَ فِي الْاَ مْرِ كُلِّهٖ. (بخاری ومسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نرم ہے اور ہر کام میں نرمی کو پسند کرتا ہے۔

مسلم کی ایک روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے منقول ہے جس کا ترجمہ ہے کہ "اللہ تعالیٰ نرم ہے اور ہر کام میں نرمی کو پسند کرتا ہے۔اور نرمی پر جو کچھ عطا فرماتا ہے سختی پر اور اس کے علاوہ کسی چیز پر عطا نہیں فرماتا۔

اسی طرح امام مسلم نے موصوفہ سے ایک اور روایت نقل کی ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ نرمی جس چیز میں ہوتی ہے اس کو زینت بخشتی ہے اور جس چیز سے نکالی جاتی ہے اس کو عیب دار بناتی ہے۔

امام بخاری ومسلم نے حضرت ام المومنین سے ایک روایت نقل کی جسکا مفہوم یہ ہے کہ نرمی جس چیز میں ہوتی ہے اس کو زینت بخشتی ہے اور جس چیز سے نکالی جاتی ہے اس کو عیب دار بناتی ہے۔

امام بخاری ومسلم نے حضرت ام المومنینؓ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ کو جب کبھی دو چیزوں کا اختیار ملا تو آپ نے (امت کی آسانی کے لئے) نرم چیز کو اختیار فرمایا نیز آپ ﷺ نے اپنی ذات کے لیے کبھی کسی سے انتقام نہیں لیا۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو حضور علیہ السلام کی دس سال تک خدمت کرتے رہے فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ لوگوں کے ساتھ نرمی کا معاملہ اختیار کرو سختی کا نہیں...... اسی طرح لوگوں کو خوشخبری وبشارت دو اور انہیں نفرت نہ دلاؤ۔

امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک روایت نقل کی کہ اللہ کے نبی نے ارشاد فرمایا کہ جو آدمی نرمی سے محروم ہو گیا وہ ہر خیر و بھلائی سے محروم ہو گیا۔

ان تمام روایات کا لبِ لباب اور خلاصہ یہ ہے کہ انسان کو نرمی و ملائمت کا وطیرہ اختیار کرنا چاہیے نہ کہ سختی وتشدد کا۔ اس لیے سختی و تیزی اور تشدد کا رویہ کبھی بھی فائدہ مند نہیں ہوتا۔ آپ ﷺ نے سچے اور حقیقی پہلوان کی یوں تعریف فرمائی کہ جو شخص غصہ کے وقت اپنے جذبات پر قابو پالے وہ پہلوان ہے جو دوسروں کو پچھاڑ دے وہ پہلوان نہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ایک روایت امام مسلم نے نقل کی جس کا ایک ٹکڑا ہے کہ تم میں سے جو شخص لوگوں کے اجتماعی امور کا والی اور نگہبان بنایا جائے، اسے چاہیے کہ ان کے ساتھ نرمی کا رویہ اختیار کرے۔

گویا نرمی و ملاطفت کا وطیرہ ہر جگہ ضروری ہے چاہے اجتماعی معاملات ہوں یا انفرادی معاملات۔ اور جو شخص ہر معاملہ میں سختی و جبر کا وطیرہ اختیار کرتا ہے وہ زُود یا بدیر لوگوں کی نفرت کا شکار ہو جاتا ہے جیسا کہ تاریخ عالم گواہ ہے۔ حضور علیہ السلام اور آپ ﷺ کے سچے خلفاء و جانشین حضرات کا طرزِ عمل اپنی رعایا کے ساتھ انتہائی نرمی کا تھا۔ جب تک دینی معاملات میں مداخلت نہ ہوتی ہو اور جب دینی معاملات میں مداخلت ہو تو پھر آپ ﷺ کسی کا لحاظ نہ کرتے۔ جیسا کہ فاطمہ مخزومیہ کا واقعہ ہے کہ اس نے چوری کی تو آپ ﷺ کے مقرب ترین صحابیؓ نے سفارش کی، جس پر آپ ﷺ نے غضب ناک ہو کر فرمایا کہ تم حدودِ الٰہی کے معاملہ میں سفارش کرتے ہو؟ یاد رکھو کہ اگر میری بیٹی یہ جرم کرتی تو اس کو بھی معاف نہ کرتا۔

بہر حال نرمی و ملاطفت اور سختی کا اپنا اپنا مقام ہے اور مختصر یہ کہ اصل نرمی ہے ہاں جب حدودِ الٰہی پامال ہونے لگیں تو پھر سختی تقاضائے دین و ایمان ہے۔

جاہلوں سے اعراض :

(۷) عَنْ عَائِشَۃَ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قَالَتْ مَا ضَرَبَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و سلم شَیْئًا قَطُّ بِیَدِہٖ وَلَا اِمْرَأَۃً وَلَا خَادِمًا اِلَّا اَنْ یُّجَاھِدَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَمَانِیْلَ مِنْہُ

شیءٌ قطُّ فینتقمُ من صاحبه الّا انْ یُنتهکَ شیءٌ من محارمِ اللّٰه تعالٰی فینتقِمُ لِلّٰه تعالٰی ۔ (مسلم)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کسی کو اپنے ہاتھ سے نہیں مارا نہ عورت کو نہ غلام کو' سوا اس کے کہ اللہ کی راہ میں جہاد کریں اور آپ ﷺ کو کسی سے کوئی تکلیف پہنچتی تو آپ ﷺ تکلیف پہنچانے والے سے بدلہ نہ لیتے' مگر ہاں جب اللہ تعالیٰ کی حرمتوں میں کوئی بے حرمتی کرتا تو آپ ﷺ اللہ کے لیے بدلہ لیتے۔

اسی طرح کی ایک اور روایت حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے منقول ہے جسے امام بخاری و امام مسلم رحمہما اللہ تعالیٰ نے نقل کیا۔ اس طویل حدیث کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں :

آپ نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ واصحابہ وسلم سے کہا۔ کیا آپ ﷺ پر اُحد کے دن سے زیادہ سخت کوئی دن گزرا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا مجھے تمہاری قوم سے بہت کچھ برداشت کرنا پڑا ہے سب سے زیادہ سخت دن عقبہ کا دن تھا۔ میں نے عبد یالیل عبد یا کلال کو دعوت اسلام دی۔ اس نے میری بات قبول نہیں کی۔ مَیں اپنے حال میں اس فکر اور رنج میں چلا جارہا تھا' قرن ثعالب (مکہ کا ایک مقام) پہنچ کر مجھے احساس ہوا کہ میں کہاں ہوں؟ سر اٹھایا تو ایک بادل تھا جو مجھ پر سایہ کئے ہوئے تھا' میں نے جو نظر ڈالی تو اس میں جبریلِ امین علیہ السلام نظر آئے۔ انہوں نے مجھے پکارا اور کہا اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کا فرمان سنا اور آپ ﷺ کی قوم کا جواب بھی سنا تو آپ ﷺ کی طرف پہاڑوں کے فرشتہ کو بھی بھیجا۔ اب آپ ﷺ جو چاہیں اسے حکم دیں، پھر پہاڑوں کے فرشتہ نے مجھے پکارا۔ اے محمد! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کا سوال سنا اور آپ ﷺ کی قوم کا جواب سنا...... میں پہاڑوں کا فرشتہ ہوں مجھے میرے پروردگار نے بھیجا ہے اب آپ ﷺ اپنے معاملہ میں جو چاہیں اگر آپ ﷺ کا ارشاد ہو تو میں ان دونوں پہاڑوں کے درمیان ان کو پیس دوں (جو مکہ کو گھیرے ہوئے ہیں) آپ ﷺ نے فرمایا۔ نہیں میں امید کرتا ہوں کہ ان کی پُشت میں اللہ تعالیٰ ایسے لوگ پیدا کرے گا جو اس کی عبادت کریں گے اور اس کا شریک نہیں ٹھہرائیں گے''۔

اللہ اللہ کتنا تحمل ہے کتنی بُردباری ہے کہ اتنے مصائب برداشت کر کے جواب یہ ہے' دراصل جاہلوں کے معاملہ میں آپ ﷺ کا یہی طرز عمل تھا [illegible] آپ ﷺ نے لوگوں کو حکم دیا۔ قرآن حکیم

میں سورہ فرقان کے آخری رکوع "عبادالرحمٰن" (اللہ کے بندے) کی علامات میں ایک بات یہ بھی ہے کہ جب جاہلوں سے پالا پڑے تو اللہ کے بندے کا یہ کام ہے کہ وہ "سلام" کر کے ایک طرف ہو جائے بہرحال جاہلوں سے اعراض اور انہیں معاف کر دینا ہی کمال اخلاق کی دلیل ہے اور مآل کار اسی میں فائدہ ہے اور اسی کے نتائج اچھے نکلتے ہیں۔

ان احادیث کا خلاصہ اور لب لباب یہی ہے۔ بصورت دیگر بات بات پر لڑائی اور جھگڑا ہوگا جس سے معاشرہ تباہی کا شکار ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بچائے۔ آمین!!

تصویروں سے اجتناب :

(۸) عَنْ عَائِشَةَ رضی اللّٰه تعالیٰ عنها قَالَتْ قَدِمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللّٰه علیه و سلم مِنْ سَفَرٍ وَ قَدْ سَتَرْتُ سَهْوَةً لِّیْ بِقِرَامٍ فِیْهِ تَمَاثِیْلُ فَلَمَّا رَاٰهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللّٰه علیه وسلم هَتَكَهٗ وَ تَلَوَّنَ وَجْهُهٗ وَ قَالَ یَا عَائِشَةُ اَشَدُّ النَّاسِ عَذَاباً عِنْدَاللّٰهِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ اَلَّذِیْنَ یُضَاهُوْنَ بِخَلْقِ اللّٰهِ. (بخاری ومسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کسی سفر سے تشریف لائے، میں نے مسند پر ایک چادر بچھا رکھی تھی جس میں تصویریں تھیں، آپ نے جب دیکھا تو اس چادر کی تصویر کو مٹا ڈالا اور آپ ﷺ کے چہرہ کا رنگ بدل گیا، فرمایا اے عائشہ۔ اللہ کا عذاب قیامت کے دن ان لوگوں پر سخت ہوگا جو اللہ کی صفت خلق میں مشابہت پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں"

اس روایت میں حضور علیہ السلام کے تصاویر پر غضب (جلال) کا ذکر ہے جبکہ اس سلسلہ میں دوسری روایت وہ ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس گھر میں رحمت کے فرشتے نازل نہیں ہوتے جس میں کتے یا تصویریں ہوں پیغمبر اقدس کے ان ارشادات کے بعد اپنی معاشرتی کیفیت کو دیکھیں کہ تصویر کہاں کہاں اور کس کس طرح ہمارے معاشرہ میں گھس چکی ہے۔

پاسپورٹ، شناختی کارڈ، کرنسی نوٹ ڈاک کے ٹکٹ، کاروباری اداروں کے سائن بورڈ، اخبارات ورسائل، الغرض ہر طرف فوٹو ہی فوٹو، ان میں بعض صورتیں ایسی ہیں جن کی ذمہ داری براہ راست حکومتوں پر عائد ہوتی ہے، مثلاً پاسپورٹ اور شناختی کارڈ اس میں عام مسلمان مجرم نہیں، لیکن جہاں

تک انسان کا اپنا بس اور اختیار ہے وہاں وہ اس سلسلہ میں احتیاط نہ برتے تو سخت ترین مجرم ہے"

ہمارے یہاں کی سوسائٹی کا ہر فرد چاہے وہ معاشرتی طور پر بڑا ہو یا چھوٹا' فوٹو اور تصاویر کے بغیر اس کا گزارا نہیں مکانات کا ہر کمرہ اس "لعنت" سے متاثر ہے اور یوں رحمت الٰہی سے محرومی پلے پڑتی ہے گھر گھر قومی ہیروؤں' فلمی ہیروؤں اور خود اپنے اور اپنے خاندانوں کے افراد کے فوٹو اور ان کے مختلف پوز فریم شدہ دیواروں پر لٹکے ہوئے نظر آئیں گے' حالانکہ یہ بات صریحاً غلط ہے معاشرہ جس بری طرح فحاشی وعریانی اور بے راہ روی کا شکار ہے اس کا ایک موثر ترین سبب فوٹو وتصویر بھی ہے اس لئے کہ وہ لوگ جنہوں نے اپنے قلب ونظر کو اللہ کی ذات سے الگ کر کے دنیا کی ظاہری زیب وزینت پر تکیہ کر لیا ہے وہ کوئی فوٹو دیکھ لیں' تو تحرک وارتعاش کی یہ کیفیت آگے چل کر ہزاروں برائیوں کو جنم دیتی ہے اور انسان ضلالت وگمراہی اور اخلاقی بے راہ روی کا شکار ہو جاتا ہے۔

قرآن وسنت کے علوم سے بے بہرہ لوگ بعض علماء اور اہل دین کا فوٹو دیکھ کر اس کو سند بنا لیتے ہیں حالانکہ بنیادی بات تو یہی ہے کہ کسی بھی کام میں اسوہ ونمونہ اللہ کے نبی ﷺ کی ذات ہے اور نہیں! لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ. (الاحزاب) اور آپ ﷺ کا فرمان ہے' کہ تم میں سے کوئی آدمی اس وقت تک مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنی خواہشات کو میرے لائے ہوئے دین کے تابع نہ کرے" نیز حجۃ الوداع کے تاریخ ساز ملی اجتماع میں آپ ﷺ نے واضح طور پر فرمایا کہ میں تم میں دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں' اللہ کی کتاب اور اپنی سنت' جب تک ان کو مضبوطی کے ساتھ تھامے رکھو گے گمراہ نہیں ہو گے' اس کے بعد کسی بھی بڑے" آدمی کے عمل کا حوالہ دینا سراسر دین سے لاتعلقی یا کم از کم بے علمی کی بات ہے' جب کہ ایک بات یہ بھی ہے کہ علماء وغیرہ کے فوٹو آنا اس کی دلیل نہیں کہ وہ دانستہ ایسا کرتے ہیں' مسلمان کے متعلق بہتر گمان کے طور پر یہ بھی تو کہا جا سکتا ہے کہ وہ "کیمرہ" کی آنکھ کی چوری کا شکار ہو جاتے ہیں' کیونکہ ایسے ان گنت علماء کا ذاتی طور پر علم ہے جنہوں نے بعض اہم ترین مواقع پر جب کہ حکمرانوں کی سطح کے لوگ بھی موجود تھے' سختی سے اس بات کی تردید کی' اور گروپ فوٹو وغیرہ کھنچوانے سے سختی سے احتراز کیا اور یوں تبلیغ کا فریضہ بھی سرانجام دیا' پھر برصغیر میں مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم اور علامہ سید سلیمان ندوی مرحوم جیسے لوگ بھی گزرے ہیں جو سطحی قسم کے لوگوں کے نزدیک "آزاد" قسم کے اہل علم شمار ہوتے تھے لیکن معلوم ہونا چاہئے کہ انہوں نے ابتداءً ہی فوٹو کے متعلق

نرم رویہ اختیار کیا تو بعد میں سختی کے ساتھ اس کے خلاف آواز بلند کی اور یوں سرِعام توبہ کی"۔

رہ گئی یہ بات کہ فوٹو تصویر نہیں محض پرچھائیں ہیں جیسا کہ بعض پاکستانی وغیر پاکستانی دانشور کہتے ہیں تو یہ بالکل غلط ہے اور عقل ونقل کے اعتبار سے اس کی کوئی دلیل نہیں" حیرت ہوتی ہے کہ لوگ آزادروی کی اس منزل پر چلے جاتے ہیں کہ ایک بڑے پاکستانی مفکر نے فلمسازی کے متعلق یہاں تک کہہ دیا کہ یہ خلافِ اسلام نہیں بلکہ تبلیغ دین کا ذریعہ ہے اور اس میں اول تو عورتوں کو نہ لایا جائے' ناگزیر ہوں تو اس طرح لائیں کہ اسلامی حدود متاثر نہ ہوں سوال یہ ہے کہ ایسا کیسے ہوگا؟ یہ سب ہوائے نفس کی اتباع ہے اور کچھ نہیں" سلسلہ کلام کے ختم ہونے سے قبل ایک بات کا جان لینا ضروری ہے کہ "بت پرستی" جیسی قبیح رسم کی ابتداء اسی طریق سے ہوئی کہ لوگوں نے اہل اللہ اور اہل علم اور دوسرے بڑے لوگوں کی تصویریں احتراماً بنا ڈالیں اور چلتے چلتے بت پرستی شروع ہوگئی جیسا کہ سورۃ نوح میں تفصیلاً موجود ہے"۔

بہرحال اس معاملہ میں جو وعیدیں ہیں ان پر نظر کر کے سختی سے اجتناب کرنا ازبس ضروری ہے"۔

رعایا سے نرمی کا حکم :

(۹) عَنْ عَائِشَةَ رضی اللّٰہ تعالٰی عنها قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللّٰہ تعالٰی علیه وسلم يَقُوْلُ فِيْ بَيْتِيْ هٰذَا ، اَللّٰهُمَّ مَنْ وَلِيَ مِنْ اَمْرِ اُمَّتِيْ شَيْئًا فَشَقَّ عَلَيْهِمْ فَاشْقُقْ عَلَيْهِ وَمَنْ وَلِيَ مِنْ اَمْرِ اُمَّتِيْ شَيْئًا فَرَفَقَ بِهِمْ فَارْفُقْ بِه. (بخاری ومسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا آپ ﷺ میرے گھر میں ارشاد فرماتے تھے کہ اے اللہ' جو میری امت کے کسی کام پر حاکم ہو اور ان پر سختی کرے تو تو بھی اس پر سختی کر اور جو میری امت کے کسی کام پر حاکم ہو اور ان سے نرمی سے پیش آئے تو تو بھی نرمی سے پیش آ".....

حکومت وولایت اسلام کا ایک حصہ ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جہاں معلم' مزکی' مربی تھے' امام وخطیب مدرس تھے وہاں قائد افواج اسلامی اور سربراہ حکومت اسلامی تھے' آپ ﷺ نے بہ حیثیت امام سربراہِ حکومت اسلامی حکومت منظم کی اور اس سلسلہ میں واضح ہدایات دیں' یورپی فکر جو ایک عرصہ ہم پر مسلط رہا اس نے دین کا حلیہ بگاڑ کر دین کو محض چند عبادات اور رسومات کا مجموعہ ثابت کرنا شروع کر

دیا اور سیاست وحکومت کو ایک الگ شعبہ قرار دے لیا حالانکہ اسلام اپنی کاملیت اور جامعیت کے پیش نظر جہاں اور معاملات میں رہنمائی کرتا ہے وہاں حکومت وسیاست کے معاملہ میں بھی بھرپور رہنمائی کرتا ہے" قرآن حکیم نے " ان الحکم الا للّٰہ " کا جو ارشاد فرمایا وہ اسی لئے کہ لوگوں پر واضح ہو سکے کہ حکم وحکمرانی صرف اللہ کا حق ہے اور اسلام کے نظام حکومت کا انداز شورائی قرار دیا' جیسا کہ :

"وَ اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ " (سورۃ شوریٰ) میں ارشاد ہے' اور سورہ آل عمران میں خود نبی کریم علیہ السلام کو "وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ " کہہ کر مشاورت کا حکم دیا۔

قرآن حکیم نے اجتماعی امور اس کے اہل لوگوں کے سپرد کرنے کا حکم دیا' اور جو صحیح حکمران ہوں ان کی اطاعت کا حکم دیا" (نساء)

اور حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ سے سوال ہوا کہ قیامت کب آئیگی؟ فرمایا جب امانت نااہل لوگوں کے سپرد کی جائے تو قیامت کا انتظار کرنا' اور ضیاع امانت کی آپ ﷺ نے یہ وضاحت فرمائی کہ "اِذَا وُسِدَ الْاَمْرُ اِلٰى غَيْرِ اَهْلِه فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ "جب اجتماعی معاملات نااہل لوگوں کے سپرد کئے جائیں تو قیامت کا انتظار کرنا"۔

شراح حدیث نے اس روایت کے تحت واضح طور پر لکھا کہ حکومت' سیاست' عدالت وغیرہ دراصل "الامر" کی تفسیر ہے نہ کہ محض چند نکوں کی امانت کا اس میں ذکر ہے" اسی طرح ایک اور روایت احادیث میں موجود ہے جو محدثین نے باب الملاحم میں ذکر کی ہے اس میں مختلف تنبیہات کا ذکر ہے (یعنی زلزلہ' خسف ومسخ وغیرہ) ان کے جو اسباب گنوائے گئے ہیں ان میں بھی "اضاعٔ امانت" کا ذکر ہے 'الغرض یہ ایک دینی فرض ہے' اور جب لوگوں کو ذمہ داری سونپی جائے ان کا فرض ہے کہ وہ نرمی اور رواداری وملاطفت کا رویہ اختیار کریں کہ ایک کامیاب حکومت کے لئے یہ ضروری ہے' رہ گئی سختی تو اس کے نتائج ہمیشہ اندوہناک ہوتے ہیں" البتہ جب دینی امور میں رخنہ اندازی ہونے لگے تو پھر کسی قسم کی نرمی نہ ہونی چاہیے کیونکہ حدود الٰہیہ کا پاس ولحاظ نہ کرنا بھی خدا کے غضب کو دعوت دینا ہے" حضور علیہ السلام کا ارشاد خوب ہے کہ جو نرمی کرے اے اللہ تو اس سے نرمی کر اور جو سختی کرے تو اس پر سختی کر"....

اچھے رفقاء خدا کی نعمت ہیں :

(۱۰) عَنْ عَائِشَةَ رضی اللّٰہ تعالٰی عنہا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ

وسلم اِذَا اَرَادَاللّٰہُ بِالْاَمِیْرِ خَیْرًا جَعَلَ لَہٗ وَزِیْرَ صِدْقٍ اِنْ نَسِیَ ذَکَّرَہٗ وَاِنْ ذَکَرَ اَعَانَہٗ وَ اِذَا اَرَادَ بِہٖ غَیْرَ ذَالِکَ جَعَلَ لَہٗ وَزِیْرَ سُوْءٍ اِنْ نَسِیَ لَمْ یُذَکِّرْہُ وَ اِنْ ذَکَرَ لَمْ یُعِنْہُ. (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جب کسی حاکم کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اس کو اچھا اور دیانت دار وزیر دیتا ہے کہ اگر وہ بھول جائے تو اس کو یاد دلائے اور اگر یاد ہو تو اس کی مدد کرے اور جب کسی حاکم کے ساتھ برائی کا ارادہ کرتا ہے تو اس کو برا وزیر دیتا ہے کہ اگر وہ بھول جائے تو نہ یاد دلائے اور اگر یاد ہو تو اس کی مدد نہ کرے۔

حکومت وولایت اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے اور بہت بڑی نعمت ہے۔ بشرطیکہ انسان اس کو نعمت سمجھے اور اس موقع سے فائدہ اٹھا کر اللہ کی مخلوق کی خدمت کرے اور اگر ایسا نہ ہو تو حکومت وولایت ذلت ورسوائی کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ جس سے بربادیاں جنم لیتی ہیں۔

اچھے حکمران اور اچھے امیر وامام کے حق میں بھلائی وخیر کی ایک نشانی اللہ کے نبی ﷺ نے یہ فرمائی کہ اس کے وزراء، مصاحبین اور قریبی لوگ محض خوشامدی اور چاپلوس نہ ہوں بلکہ حقیقی معنوں میں خیر خواہ ہوں۔ ایک حدیث میں آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ دین نصیحت وخیر خواہی کا نام ہے اور جب آپ ﷺ سے سوال ہوا کہ کس کی خیر خواہی؟ تو آپ ﷺ نے جن جن کا ذکر کیا ان میں امراء وحکمران بھی ہیں کہ ان کی خیر خواہی کی جائے اور خیر خواہی یہی ہے کہ خوشامد پرستی نہ کی جائے بلکہ صحیح مشورہ، اور تعمیری تنقید ملحوظ خاطر رکھی جائے جن حکمرانوں کو اس قسم کے مصاحبین اور دوست ورفقاء میسّر آجاتے ہیں وہ فی الحقیقت قوم وملک کے لئے فائدہ مند ہوتے ہیں۔

اسلام کی تاریخ میں کامیاب حکمرانوں کی کامیابیوں کے اسباب اگر آپ ملاحظہ فرمائیں گے تو اچھے رفقاء کی موجودگی آپ کو سرِ فہرست نظر آئے گی۔

اسلام کے نظامِ حکومت میں اپنے عزیز رشتہ داروں اور تعلق والوں کو مناصب دینے سے جو روکا گیا ہے تو اس کا بنیادی سبب یہ ہے کہ اس میں عام طور پر آدمی بے اعتدالی کا شکار ہو جاتے اور پھر رفتہ رفتہ نااہل لوگوں کو بھی لوگوں کے سر پر مسلّط کر دیتا ہے ورنہ فی نفسہ اپنے عزیز واقرباء کو مناصب سپرد کرنا کوئی جرم نہیں ہے۔ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دنیا سے جاتے جاتے جن چھ حضرات کو آئندہ

امارت کے لئے منتخب کیا ان کے نام سے ساری دنیا واقف ہے۔ یعنی حضرت عثمانؓ ' حضرت علیؓ ' حضرت طلحہؓ ' حضرت زبیرؓ ' حضرت سعدؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہم ان کے ساتھ محض مشورہ کے لئے اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہ کو لگا دیا لیکن انھیں اس منصب پر فائز کرنے سے سختی سے روک دیا۔

بہر حال حدیث نبوی ﷺ اپنے معنی و مفہوم میں بالکل واضح ہے جس کا خلاصہ اور لبِ لباب یہی ہے کہ اپنے اچھے رفقاء کامیابی کا ذریعہ بنتے ہیں اور بُرے رفقاء بربادی کا! اور خاص طور پر حکومت و ولایت کے مسئلہ میں اس کے اثرات جلدی سامنے آتے ہیں کیونکہ یہاں وسائل بھی ہوتے ہیں اور اسباب بھی! اور ذرا سا آدمی بہک جائے تو پھر توبہ بھلی!

شستہ اور صاف گفتگو کا حکم :

(۱۱) عَنْ عَائِشَةَ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہا قَالَت کَانَ کَلَامُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ و سلم کَلَامًا فَصْلًا یُفْهِمُهُ کُلُّ مَنْ یَّسْمَعُهُ ۔ (ابوداؤد)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ارشاد فرماتی ہیں ' کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بات ٹھہر ٹھہر کر اور کھول کر بیان فرماتے تھے کہ جو سنتا تھا سمجھ لیتا تھا۔

شُستہ ' صاف اور ٹھہر ٹھہر کر گفتگو کرنا اسوۂ نبی ﷺ اور حکم خداوندی ہے۔ قولوا قولا سدیدا ۔ جہاں سچائی و صداقت ضروری ہے وہاں بامقصد اور ایسی گفتگو کرنا کہ مخاطب کے پلّے کچھ پڑے ضروری ہے۔ زیرِ زبان گفتگو ' ذومعنی الفاظ کا استعمال یا ایسا وطیرہ اختیار کرنا جس سے مخاطب الجھ کر رہ جائے دانائی کی بات نہیں اور یہی اس حدیث کا منشا ہے۔

اچھے کام کی ابتداء دائیں ہاتھ سے کرنا :

(۱۲) عَنْ عَائِشَةَ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہا قَالَت کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم یُعْجِبُهُ التَّیَمُّنُ فِیْ شَانِهٖ کُلِّهٖ فِیْ طَهُوْرِهٖ وَ تَرَجُّلِهٖ وَ تَنَعُّلِهٖ ۔ (بخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر کام کو سیدھے جانب سے شروع کرنا پسند فرماتے تھے پاکی میں ' کنگھی کرنے اور جوتا پہننے میں۔ یہ روایت اپنے مفہوم میں بالکل واضح ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ اچھے کام کی ابتداء دائیں طرف سے ہوتی۔ دایاں اور بایاں

دونوں ہی اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ ہیں لیکن خداوند قدوس نے ہر چیز کا ایک مقام متعین فرمایا ہے۔ اس اعتبار سے دایاں ہاتھ اور دائیں طرف اچھے کاموں کے لئے وقف کر دی۔ رہ گئی یہ بات کہ بائیں ہاتھ اور بائیں طرف کا مصرف کیا ہے تو اس کا جواب ابو داؤد کی اس روایت میں موجود ہے۔ جس کو روایت کرنے والی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہی ہیں۔ اسمیں ہے:

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سیدھے ہاتھ کو پاکی اور کھانے وغیرہ میں اور بائیں ہاتھ کو پاخانہ اور ناک وغیرہ صاف کرنے میں استعمال کیا کرتے تھے'' ہم لوگ اپنی عملی زندگی میں جس بے راہ روی کا شکار ہو چکے ہیں اس میں یہ بات بھی شامل ہے کہ ہم نے کھانے پینے' سونے' جاگنے' اٹھنے' بیٹھنے' غرض کہ ہر معاملہ میں سنن وآداب کو قطعاً نظر انداز کر دیا ہے۔ کھڑے ہو کر اور چل پھر کر کھانا' کھڑے کھڑے پانی پی لینا' نہ شروع میں خدا کا نام نہ آخر میں اس کا شکر' سونے میں آداب نبوی ﷺ کا عدم لحاظ' کاروبار وتجارت اور زراعت وکھیتی میں عدم احتیاط...... الغرض ہر جگہ یہی صورتِ حال ہے۔ دائیں بائیں کی تمیز نہیں۔ جس سے برکات اُٹھ گئیں۔ ورنہ اگر ہم تھوڑا سا لحاظ کریں تو جہاں ہماری بھوک' پیاس اور نیند کا قصہ ختم ہو گا وہاں مستقل ثواب بھی اللہ کی طرف سے نصیب ہو گا اور روح پیغمبر آسودہ ہو گی اور دارین کی سعادتیں نصیب ہوں گی۔

کھانا شروع کرتے وقت اللہ کا نام لینا باعث برکت ہے :

(۱۳) عَنْ عَائِشَۃَ رضی اللّٰہ تعالٰی عنہا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ و سلم اِذَا اَکَلَ اَحَدُکُمْ فَلْیَذْکُرِ اسْمَ اللّٰہِ تَعَالٰی فَاِنْ نَسِیَ اَنْ یَذْکُرَ اسْمَ اللّٰہِ تَعَالٰی فِیْ اَوَّلِہٖ فَلْیَقُلْ بِسْمِ اللّٰہِ اَوَّلَہٗ وَ آخِرَہٗ۔ (ابوداؤد وترمذی)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی کھانا کھائے تو اسے چاہیے کہ اللہ کا نام لے' پھر اگر شروع میں اللہ کا نام لینا بھول جائے تو اسے یہ کلمات کہنے چاہئیں۔ بسم اللّٰہ اولہ و اخرہ۔

ایک حدیث میں اللہ کے نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ ہر وہ کام جو اللہ کے ذکر کے بغیر کیا جائے وہ بے برکت ہوتا ہے کھانا بھی ایک کام ہے اور اللہ کی نعمت ہے۔ بندگی وعبدیت کا تقاضہ یہ ہے کہ اس کی

ابتداء میں اللہ کا نام لیا جائے اور انتہا میں خدا کا شکر ادا کیا جائے جس کے الفاظ حدیث میں یہ ہیں:
اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَ سَقَانَا وَ جَعَلَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ بغیر نام خدا کی بے برکتی کا ایک واقعہ امام ترمذیؒ نے حضرت عائشہؓ ہی سے نقل کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے چھ رفقاء کے ساتھ کھانے میں مشغول تھے ایک دیہاتی آیا اور اس کھانے کو دو ایک لقموں میں ختم کر گیا اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر یہ شخص اللہ کا نام لے کر کھانا شروع کرتا تو یہ تم سب کے لئے کافی ہو جاتا۔ گویا چھ اشخاص کھانا کھا رہے ہیں لیکن ابھی کھانا باقی ہے اور ایک جس نے ذکر الٰہی نہ کیا اس کے عمل سے وہ فوراً ختم ہو گیا۔ اور سب بھوکے رہ گئے۔ اس سے بے برکتی کا اندازہ آسانی سے ہوتا ہے۔ نیز اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہے کہ آپ ﷺ اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر کھانا تناول فرماتے لیکن ہمارا یہ حال ہے کہ الگ الگ برتنوں میں کھانا تو رہا ایک طرف خلاف سنّت بلکہ خلافِ انسانیت طریق سے کھاتے ہیں۔ چلنا اور چلتے پھرتے کھانا موجودہ معاشرت ہے جس پر فخر کیا جاتا ہے۔ (العیاذ باللہ) حقیقت یہ ہے کہ انہی طور طریقوں سے انسانیت دم گھٹتی جا رہی ہے اور برکت اٹھتی جا رہی ہے۔ لوگ اپنے خلافِ سنت اعمال کے لئے عجیب وغریب تاویلیں کرتے ہیں کوئی جگہ کی تنگی کا بہانہ بناتا ہے کوئی کسی چیز کا' حالانکہ سنت کا پاس ولحاظ رکھنا ازبس ضروری ہے اور یہ سودا بہت سستا ہے مزعومہ نقصانات کے مقابلہ میں اور جب کہ سنّت کو چھوڑ کر عام گمراہی پھیل جائے تو اس کا پاس ولحاظ اور بھی ضروری ہے۔ کیونکہ ایک سنّت کا زندہ کرنا سو شہیدوں کا اجر وثواب حاصل کرنا ہے جیسا کہ حدیث میں ارشاد ہے..... بہر حال احتیاط بڑی لازمی ہے ورنہ ہوائے نفس کی اتباع ضروری ہو گی جس سے دنیا برباد اور قیامت میں حوضِ کوثر سے محرومی! اللہ بچائے۔ آمین!!

باہمی میل ملاقات کا طریقہ:

(۱۴) عَنْ عَائِشَةَ رضی اللّٰہ تعالٰی عنها قَالَتْ قَدِمَ زَیْدُ بْنُ حَارِثَهُ الْمَدِیْنَةَ وَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللّٰہ تعالٰی علیه وسلم فِیْ بَیْتِیْ فَاَتَاهُ فَقَرَعَ الْبَابَ ،فَقَامَ اِلَیْهِ النَّبِیُّ صلی اللّٰہ علیه و سلم یَجُرُّ ثَوْبَهٗ فَاعْتَنَقَهٗ وَقَبَّلَهٗ. (ترمذی)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ میں آئے اور رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میرے مکان میں تشریف فرما تھے۔ آپ ﷺ سے

ملاقات کے لئے حاضر ہوئے اور انہوں نے دروازہ کھٹکھٹایا تو حضور ﷺ نے اپنا کپڑا گھسیٹتے ہوئے تشریف لے گئے آپ ﷺ نے انہیں گلے لگایا اور پیار کیا۔

اسلام دین کامل وجامع ہے۔اس نے ہر معاملہ میں رہنمائی کی۔اس حدیث سے ملاقات کے سلسلہ میں رہنمائی نصیب ہوتی ہے۔حضرت زید رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام اور ابتدائی دور کے مسلمان تھے۔آپ ﷺ کو ان سے بے پناہ تعلق خاطر تھا وہ غالباً کسی بیرونی سفر سے واپس مدینہ منورہ تشریف لائے ہوں گے اور آتے ہی سب سے پہلے آپ ﷺ سے ملنے کو گئے تو آپ ﷺ فرطِ محبت سے اپنی چادر گھسیٹتے باہر تشریف لائے اور ملے اور پیار فرمایا۔یہ معاملہ ان سے ہی نہ تھا سب سے تھا اور سب ہی آپ ﷺ کو انتہائی محبوب تھے۔

بہر حال مقصد یہ ہے کہ باہمی میل ملاقات' ایک دوسرے کی خیریت معلوم کرنا' سلام پہنچانا' وغیرہ معاشرتی آداب میں شامل ہیں۔اور اسلام نے اس سلسلہ میں جو رہنمائی کی اس میں شفقت ومحبت اور باہمی احترام کا برابر لحاظ رکھا۔ایک جامع لفظ ملاقات کے وقت ''السلام علیکم'' تجویز کیا جو زمان ومکان سے بالاتر ہیں بخلاف دوسرے مذاہب وغیرہ کے کہ انمیں مختلف اوقات کے لئے مختلف الفاظ اور کسی میں بھی وہ شفقت واحترام والی بات نہیں۔

قرآن نے باہمی سلام کا حکم دیا (سورہء نساء آیت ۸۶) مکان پر جانے والے کو صاحب خانہ سے اجازت لے کر اور سب سے پہلے سلام کر کے داخل مکان ہونے کا حکم دیا۔(سورہء نور آیت ۲۷) اور یہ حکم خود گھر والوں کے لئے بھی ہے حتّٰی کہ خاوند آئے تو ذرا مطلع کر کے اندر آئے تو سلام کہے اگر چہ اندر اس کی صرف بیوی ہی کیوں نہ ہو۔انبیاء اور ملائکہ کا باہمی ملاقات میں یہی طریقہ تھا (سورہء ذاریات آیت ۲۴) اور حضور علیہ السلام نے ہر کسی سے سلام کو بہتر اسلام قرار دیا۔اگر چہ اگلے سے پہچان ہو یا نہ ہو (بخاری ومسلم) اسی طرح آپ ﷺ نے اس شخص کو اچھا مسلمان بتلایا جو سلام میں ابتداء کرنے ملاقات کے دوران سلام کے جواب میں بہتر کلمات کہنے چاہئیں۔مثلاً السلام علیکم کے جواب میں ''و حسمۃ اللہ'' کا اضافہ کردے اور اگر وہ ''ورحمۃ اللہ'' کہے تو جواب میں ''وبرکاتہ'' کا اضافہ کردے۔آپ ﷺ نے سوار کو حکم دیا کہ پیدل کو سلام کرے' چلنے والا بیٹھنے والے کو کرے' تھوڑے افراد زیادہ افراد کو

سلام کہیں اور چھوٹا بڑے کو سلام کرے (بخاری و مسلم) سلام کے ساتھ مصافحہ اور معانقہ بھی حدیث سے ثابت ہے مصافحہ کا ذکر ابوداؤد موجود ہے کہ جب اہل یمن واپس آئے تو انہوں نے مُصافحہ کیا یہ ادا پسند آ گئی۔

اسی طرح ترمذی میں مصافحہ کا ذکر ہے۔بعض صحابہؓ سے حضورﷺ کے ہاتھ کا بوسہ بھی ثابت ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بزرگ اور واجب الاحترام حضرات کے ساتھ ایسا معاملہ کیا جا سکتا ہے جب کہ بڑوں کا کام چھوٹوں پر شفقت ہے۔

مریض کی عیادت :

(۱۵) عَنْ عَائِشَةَ رضی اللّٰہ تعالٰی عنها اَنَّ النَّبِیَّ صلی اللّٰہ تعالٰی علیه وسلم کَانَ یَعُوْدُ بَعْضَ اَهْلِهٖ یَمْسَحُ بِیَدِهِ الْیُمْنٰی وَ یَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ رَبَّ النَّاسِ اَذْهِبِ الْبَاسَ اِشْفِ اَنْتَ الشَّافِیْ لَاشِفَاءَ اِلَّا شِفَاءُکَ شِفَاءً لَا یُغَادِرُ سَقَماً. (بخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے بعض گھر والوں کی عیادت کرتے تو بیمار پر داہنے ہاتھ کو پھرتے اور یہ کلمات کہتے اَللّٰھُمَّ (جن کا ترجمہ ہے) اے اللہ! اے لوگوں کے پروردگار! بیماری کو دُور کر اور شفا عطا کر تو ہی شفا عطا کرنے والا ہے۔مگر تیری شفا ایسی شفا جو کسی بیماری کو نہ چھوڑے۔مریض کی عیادت بھی اسلامی معاشرت کا حصہ ہے۔بخاری و مسلم کی ایک روایت میں مسلمان کے مسلمان کے حقوق کے ذکر میں ''عیادتِ مریض'' کا ذکر موجود ہے۔امام مسلم نے ایک طویل روایت نقل کی جس میں ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ابن آدم سے کہے گا کہ مَیں بیمار تھا تم نے میری عیادت نہ کی، بعض اور چیزوں کا بھی ذکر ہے اور پھر بندہ کے سوال پر کہ اے اللہ! تُو اور بیماری؟ تو ارشاد ہوگا کہ میرا بندہ بیمار تھا تُو نے اس کی عیادت نہ کی گویا میری عیادت نہ کی۔

امام ترمذی نے ایک روایت نقل کی ہے جس میں ہے کہ صبح یا شام جب مسلمان دوسرے کی عیادت کرتا ہے تو سارا دن یا ساری رات ستر ہزار فرشتے عیادت کرنے والے کے لئے دعا کرتے رہتے ہیں۔مریض کے پاس جا کر اس پر شفقت سے ہاتھ پھیرنا اور متعلقہ دعا پڑھنا حدیث سے ثابت ہے۔جس سے مریض کو تسلی واطمینان حاصل ہوتا ہے۔نیز مریض سے اس کی صحت کا پوچھنا بھی سنت

ہے۔جیسا کہ امام بخاری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت نقل کی۔مریض کو اچھے الفاظ میں جواب دینا چاہیے اور تسلی دلانی چاہیے۔مایوسی کے الفاظ کی حدیث میں مخالفت آئی ہے۔اس کے ساتھ اس بات کا لحاظ رکھے کہ مریض کے پاس کم سے کم وقت بیٹھے تا کہ اس پر بار نہ ہو۔ان آداب و سنن کا لحاظ از بس ضروری ہے۔آج کی معاشرتی کیفیت کہ پڑوسی کو پڑوسی کی فکر نہیں۔بہت شرمناک اور مسلمانوں کے لئے باعث ننگ ہے جس کا ازالہ ضروری ہے۔

مسلمان کا جنازہ پڑھنے کی فضیلت :

(۱۶) عَنْ عَائِشَةَ رضی اللّٰہ تعالٰی عنها قَالَت قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللّٰہ تعالی علیه و سلم مَا مِنْ مَيِّتٍ يُصَلِّيْ عَلَيْهِ اُمَّةٌ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ يَبْلُغُوْنَ مِائَةً كُلُّهُمْ يَشْفَعُوْنَ لَهٗ اِلَّا شُفِّعُوْا فِيْهِ. (مسلم)

رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس جنازہ پر مسلمانوں کی ایک جماعت نے نماز پڑھی جن کی تعداد سو (۱۰۰) ہو اور ان میں سے اس کے لئے اللہ سے سفارش و مغفرت کی درخواست کرے تو یہ سفارش قبول کی جاتی ہے۔

مسلمان کے مسلمان پر جو حق ہیں ان میں سے ''جنازہ'' میں شمولیت ایک اہم حق ہے۔ احادیث میں بکثرت یہ مضمون موجود ہے ۔مرنے والے کے اہل خانہ کو تسلی دلانا' تین دن تک ان کے گھر خوراک پہنچانا اور مرنے والے کی احترام کے ساتھ تجہیز و تکفین ایک اہم معاملہ ہے۔اس لئے کہ دنیوی زندگی کا یہ ایسا موڑ ہے جہاں ایک انسان کا تعلق اس دنیا سے عملی طور پر منقطع ہو جاتا ہے اور بعد میں رہنے والوں کو بھی زود یا بدیر اس منزل سے گزرنا پڑتا ہے تو کسی کے ساتھ بھلائی کا اللہ تعالیٰ بہتر بدلہ عطا فرماتے ہیں۔مرنے والے کے ساتھ پہلی ہمدردی یہ ہے کہ اسے کلمہ طیبہ کی تلقین کی جائے (مسلم) جس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے پاس کلمہ پڑھا جائے وہ بھی پڑھے گا۔کلمہ پڑھنے کا کہنا مناسب نہیں کہ تکلیف کے سبب خرابی کا احتمال بھی ہے۔مرنے والے کے لئے دعا اور اچھے جذبات کا اظہار حدیث کی رو سے ضروری ہے بشرطیکہ وہ مسلمان ہو۔موت کی تکلیف پر انا للہ و انا علیہ راجعون کہنا حدیث سے ثابت ہے (مسلم) اور جب صدمہ یاد آئے تو یہ پڑھے۔میت پر بغیر آواز کے رونا جائز

ہے۔ جیسا کہ امام بخاری ومسلم کی روایات سے ثابت ہے خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے صاحب زادے ابراہیم کی موت پر روئے اور سوال پر فرمایا کہ یہ رونا تو رحمت ہے البتہ چیخ وپکار حرام ہے اور اس کی سختی سے ممانعت آئی ہے۔

اس کے بعد جنازہ میں شرکت کی حدیث گزر چکی ہے۔ اس میں ایک سو کی تعداد اس حدیث میں ہے جبکہ امام مسلم کی ایک روایت میں (۴۰) کا عدد اور ایک روایت میں جس کو امام ترمذی نے نقل کیا "تین صفوف" کا ذکر ہے اور اس میں ہے کہ جس کے جنازہ میں تین صفیں ہوں گی' اس کے لئے جنت واجب ہے۔

مقصد واضح ہے کہ جماعت کثیرہ کی دعا اللہ کی بارگاہ میں مقبول ہوتی ہے۔ سب نہ ہوں تو کوئی نہ کوئی اللہ کا بندہ ایسا ہوتا ہی ہے جس کی مالک کائنات ضرور سن لیتے ہیں اور وہاں تو رحمت کے لئے بہانہ درکار ہے۔

مرنے والے کی طرف سے صدقہ :

(۱۷) عَنْ عَائِشَۃَ رضی اللّٰہ تعالٰی عنہا اَنَّ رَجُلًا قَالَ لِلنَّبِیِّ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ و سلم اِنَّ اُمِّیْ افْتُلِتَتْ نَفْسُھَا وَ اُرَاھَا لَوْ تَکَلَّمَتْ تَصَدَّقَتْ فَھَلْ لَھَا مِنْ اَجْرٍ قَالَ نَعَمْ

(بخاری ومسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اس کی ماں کا انتقال ہو گیا ہے اور میرا خیال یہ ہے کہ اگر وہ بات کرتی تو خیرات کرتی تو کیا اس کو ثواب ہوگا؟ میں اگر اس کی طرف سے صدقہ کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا : ہاں (ثواب ہوگا)

حدیث اپنے مفہوم میں واضح ہے کہ میت کے فائدہ کے لئے صدقہ وخیرات کرنا اس کے لئے فائدہ مند ہے بلکہ قرآن نے ہمیں اس طرف متوجہ کیا۔ (سورہ حشر آیت ۱۰)

ایک حدیث میں جس کے راوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں مرنے والے کی دنیا سے بے تعلقی کا ذکر ہے۔ ہاں تین چیزیں اس کے لئے فائدہ مند بتلائی گئی ہیں۔ ایسا صدقہ جو اس نے

خود کیا اور جس کا اثر باقی ہے مثلاً مدرسہ' مسجد' سرائے' کنواں کی تعمیر وغیرہ یا وہ علم جو دوسروں کے فائدہ کا ذریعہ ہے۔ مثلاً اس کے شاگرد' تصانیف وغیرہ اور نیک اولاد جو اس کے لئے دعا کرے۔ (مسلم)

نیک اولاد یا دوسرے عزیز دعا کریں' صدقہ کریں میت کو ضرور فائدہ ہوتا ہے اور اُس کا انکار احادیث صحیحہ کا انکار ہے۔ ایصال ثواب کی یہ شرعی صورت بالکل واضح ہے جس میں نذر و نیاز سے فرق واضح موجود ہے۔ اگر دنیا سے جانے والا اپنے مال میں سے کسی عمل خیر کی وصیت کر جائے۔ تو ادائیگی قرض کے بعد اس کا پورا کرنا ضروری ہے لیکن اگر ایسا نہیں تو پھر بھی فائدہ ہی ہوگا۔ جیسا کہ اس حدیث سے واضح ہے۔

صحابی کی والدہ فوری انتقال کے سبب کچھ نہ کہہ سکیں تو اس نے مسئلہ پوچھا جس پر نبی علیہ السلام نے فرمایا۔ ضرور ثواب ملے گا۔ تقاضائے صلہ رحمی یہ ہے کہ دنیا سے جانے والوں کا خیال رکھا جائے بلکہ وہ حضرات جو محسن شمار ہوتے ہیں ان کے لئے بھی گا ہے گا ہے اہتمام ہو تو نور'' علیٰ نور'' ہے۔

مسواک کرنے کی اہمیت :

(۱۸) عَنْ عَائِشَۃَ رضی اللّٰہ تعالٰی عنہا اَنَّ النَّبِیَّ صلی اللّٰہ تعالی علیہ وسلم قَالَ السِّوَاکُ مُطْھَرَۃٌ'' لِلْفَمِ مَرْضَاۃٌ'' لِلرَّبِّ. (نسائی)

ترجمہ: حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ مسواک منہ کی پاکیزگی کا آلہ ہے اور اللہ کی رضامندی کا ذریعہ۔

پاکی و نظافت فطرت انسانی کا تقاضا ہے اور حضور علیہ السلام نے اسے نصف ایمان قرار دیا۔ اس کے لئے شریعت میں جو اہتمام ہے اس کی ایک جھلک تو اس حدیث میں ہے جس میں منہ کی صفائی کا ارشاد ہے اور اس کے لئے مسواک کا ذکر ہے۔ جس کے ذریعے نمازوں کے ثواب میں بے پناہ اضافہ ہو جاتا ہے۔

حضور علیہ السلام کا اپنا ہر عمل وضو کے ساتھ مسواک کا تھا۔ حتّٰی کہ رات کو جاگتے تو اہل خانہ کی طرف سے پانی و مسواک کا اہتمام ہوتا جیسا کہ حضرت عائشہؓ کی روایت امام مسلمؒ نے نقل کی۔ اسی طرح ایک اور روایت امام مسلمؒ نے نقل کی راویہ حضرت عائشہؓ ہی ہیں۔ اس میں دس چیزوں کا ذکر ہے جو تقاضائے فطرت ہیں لبوں کے بال کٹوانا' داڑھی کا بڑھانا' مسواک کرنا' ناک میں پانی ڈالنا' ناخنوں کا

کٹوانا‘ انگلیوں کے جوڑ دھونا‘بغل کے بال اکھاڑنا‘ زیر ناف بالوں کی صفائی اور استنجا۔

امام وکیع جو اس حدیث کے ایک راوی ہیں بناء بر احتیاط فرماتے ہیں کہ دسویں چیز میں بھول گیا ہوں خیال یہ ہے کہ وہ کلی کرنا ہے۔اس سے جہاں ارشاداتِ نبوّت کی روایت میں احتیاط کا پتہ چلتا ہے وہاں فطرتی کاموں کا بھی پتہ چلتا ہے۔یہی دس کام ابراہیمی سرشت میں شامل ہیں جن کا ذکر سورہء بقرہ کی ایک آیت میں ہے کہ ابراہیمؑ کے رب نے انہیں چند کاموں سے آزمایا وہ پورے اترے تو انہیں امامت کا منصب نصیب ہوا۔مسواک گیلی ہونی چاہیے اور ہر وضو کے ساتھ اس کا اہتمام چاہیے۔اسی طرح باقی معاملات کا خاص خیال رکھنا چاہیے

جہاں تک داڑھی کا تعلق ہے امّت کا بڑا حصہ اس گناہ میں مبتلا ہے جبکہ داڑھی تمام انبیاء کی سنت ہے اور آپ ﷺ نے داڑھی منڈوانے کو یہود و مجوس کا طریق بتلایا اور فرمایا کہ ان کی مخالفت کرو داڑھی بڑھاؤ اور مونچھیں کٹواؤ۔قبضہ مٹھی بھر داڑھی سنت سے ثابت ہے جیسا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت ہے اور یہ مسلمانوں کا شعار اور یونیفارم کا حصہ ہے اور اس کا منڈوانا تشبہ بالکفار ہے جس کی وعید احادیث میں موجود ہے کہ جو جس کی مشابہت اختیار کرے گا اس کا انجام اسی کے ساتھ ہوگا۔خدا توفیق عمل دے۔آمین!!

اعتکاف :

(۱۹) عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اَنَّ النَّبِیُّ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم كَانَ يَعْتَكِفُ الْعَشْرَ الْاَوَاخِرَ مِنْ رَمْضَانَ حَتّٰى تَوَفَّاهُ اللهُ تَعَالىٰ ثُمَّ اعْتَكَفَ اَزْوَاجُه‘ مِنْ بَعْدِهٖ. (بخاری ومسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رمضان کے عشرہ اخیرہ میں برابر اعتکاف فرماتے۔یہاں تک کہ اللہ نے آپ ﷺ کو وفات دی۔اور آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کی ازواج مطہرات نے اعتکاف کیا۔

اعتکاف ایک مقدّس عبادت اور عمل صالح ہے جس کا مقصد دنیا سے لاتعلق ہو کر یادِ الٰہی میں مصروف ہونا ہے لیکن اس کا وہ طریق جس کو رہبانیت کہا جاتا ہے کی اسلام میں قطعاً گنجائش نہیں بلکہ

مقصد یہ ہے کہ دنیوی کدورتوں سے پاک ہو کر نئے عزائم کے ساتھ میدان عمل میں آنے کے لئے کبھی کبھار ایسا کرلیا جائے۔

اس کی ایک صورت تو حدیث میں موجود ہے ..... یعنی رمضان کے آخری دس دنوں میں معتکف ہونا۔ ایک صورت نذر کی ہے وہ ہوتو پھر فرض ہے اور کم سے کم صورت جو مستحب ہے وہ یہ کہ جب مسجد میں آئے تو اس کی نیت کر لے۔ رمضان والا اعتکاف سنت ہے۔ لیکن ایسی سنّت کہ آبادی سے ایک آدھا آدمی ایسا کرلے سب کی طرف سے کفایت ہو جائے گی ورنہ سب گنہگار ہوں گے۔ نیّت کے ساتھ مسجد میں رہے۔ ضروریاتِ مجبوریہ کے علاوہ نہ نکلے حتّٰی کہ عیادت مریض واتباع جنازہ کی اجازت نہیں، مسجد میں محض یادِ الٰہی مقصد ہو۔ جسمیں نفل' تلاوت قرآن پاک سبھی چیزیں شامل ہیں ۲۰ کا دن گزار کر ۲۱ کی شام سے قبل بیٹھنا اور غرّہ شوال نظر آنے پر اٹھنا چاہیے۔ گڑبڑ ہوگئی ہو تو قضا ضروری ہوگی۔ اس میں بغیر ضرورت غسل تک نہ کرے کہ یہ راہ عشق کا طریق ہے مردوں کی طرح عورتیں بھی ایسا کریں لیکن گھر میں اور طریقہ یہ ہو کہ ایک جگہ متعین کرلیں جو جتنی پوشیدہ و مخفی ہوگی اتنا ثواب زیادہ ہوگا۔ اعتکاف میں خاموشی کا فلسفہ جاہلانہ ہے۔ جس کی سند کوئی نہیں۔

یوم عرفہ کی برکات:

(۲۰) عَنْ عَائِشَۃَ رضی اللہ تعالٰی عنہا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قَالَ مَامِنْ یَوْمٍ اَکْثَرَ مِنْ اَنْ یَعْتِقَ اللّٰہُ فِیْہِ عَبْدًا مِنَ النَّارِ مِنْ یَّوْمِ عَرَفَۃَ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ عرفہ کے دن سے زیادہ کسی دن اللہ تعالٰی بندوں کو دوزخ سے آزاد نہیں کرتا۔

حج کی عبادت اہل طاقت واستطاعت کے لئے لازم وضروری ہے اور اسلام کے بنیادی ارکان میں شامل ہے جیسا کہ امام بخاری ومسلم کی روایت موجود ہے نیز قرآن کی آیت جو آل عمران کی آیت ۹۷ ہے اس کا مفہوم یہی ہے۔ اسی طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی روایت امام مسلم نے نقل کی جس میں نبی علیہ السلام کا خطبہ ہے کہ لوگو! اللہ نے تم پر حج فرض کیا۔ اور آگے چل کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج مبرور کو سب سے زیادہ قیمتی عبادت بتلایا۔ (حج مبرور وہ ہے جس میں کوئی معصیت نہ کی

جائے)اور فرمایا حج مبرور کی جزا جنت ہے۔(بخاری ومسلم)

نیز آپ ﷺ نے حاجی کے لئے فرمایا کہ وہ ایسا ہے جیسا کہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہونے والا بشرطیکہ حج صحیح طریق پر ادا کرے گناہ اور دنگا فساد سے بچے۔(بخاری ومسلم)

حج میں بیت اللہ کا طواف' صفا ومروہ کی سعی' قربانی وغیرہ اعمال شامل ہیں جن کا مخصوص وقت ہے۔جیسا کہ سورۂ بقرہ میں ہے۔ان ایام کے علاوہ حج نہیں۔لیکن ان تمام اعمال میں افضل ترین عمل جو گویا حج کی جان ہے وہ میدان عرفات کی حاضری ہے جو عرفہ یعنی ۹ ذوالحجہ کو ہوتی ہے' اگر سب کچھ کرے یہ نہ کرے تو حج نہیں۔یہ کرنا ضروری ہے چاہے قیدی ہوکر وہاں سے گزر جائے۔مثال یہ ہے کہ نماز کے لئے وضو لازم ہے وہ نہیں تو نماز نہیں اسی طرح عرفہ کی حاضری نہیں تو حج نہیں۔

اس دن کی برکات کا حدیث میں ذکر ہے کہ سب سے زیادہ دوزخ سے آزادی اس دن ہوتی ہے چونکہ دنیا اس دن اطراف واکناف عالم سے کھچ کھچ کر وہاں حاضر ہوتی ہے اور احرام کے مخصوص لباس میں جو کفن سے مشابہ ہے دنیا سے الگ تھلگ ہوکر ذاتِ باری کو پکارتی ہے اور اپنے گناہوں کا اعتراف کرتی ہے اس لئے رحمتِ حق میں جوش آنا اللہ تعالیٰ کی رحمانیت کا گویا تقاضہ ہے کیونکہ وہ مہربان ہے۔

نہ صرف وہاں حاضر ہونے والے بلکہ گھروں میں موجود انسانوں کی کثیر تعداد بھی دعا گریہ میں مشغول ہوتی ہے اور اس خواہش میں پریشان ومضطرب ہوتی ہے کہ اے کاش! مجھے بھی وہاں کی حاضری نصیب ہو یہ خواہش' یہ اضطراب اور یہ بے چینی اور دعا ومناجات اور رونا دھونا مالک کو پسند آجاتا ہے۔پھر جو دوزخ سے رہائی کا پروانہ شروع ہوتا ہے تو تمام ایام پر بازی لے جاتا ہے....اس عبادت کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگائیں کہ آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ جو صاحبِ استطاعت ہوکر حج نہ کرے وہ چاہے یہودی ہوکر مرے یا نصرانی۔

اللہ بچائے اور ہم سب کو اپنے گھر کی زیارت وحاضری نصیب فرمائے۔آمین!!

عورتوں کا جہاد :

(۲۱) عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قَالَتْ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی الہ واصحابہ وسلم هَلْ عَلَى النِّسَاءِ جِهَادٌ'' ؟ قَالَ نَعَمْ جِهَادٌ'' لَا قِتَالَ فِيهِ

هُوَ الْحَجُّ وَالْعُمْرَةُ. (ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دریافت کیا' کیا عورتوں پر جہاد ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا۔ہاں۔وہ جہاد جس میں قتال (لڑائی) نہیں ہے وہ حج اور عمرہ ہے۔

اُمّ المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا سوال بالکل واضح ہے یہ وہ دور تھا جس میں بالعموم کفار اور دوسرے دشمنان اسلام سے مسلمانوں کی لڑائیاں ہورہی تھیں۔عورتیں چونکہ اسلامی احکامات کی تعمیل کے معاملہ میں مردوں کی طرح حریص تھیں ان کی خواہش یہی ہوتی تھی کہ ہمارا قدم دین کے معاملہ میں آگے بڑھے۔یہی جذبہ سوال کی شکل میں سامنے آیا۔تو حضور علیہ السلام نے ایسا حکیمانہ جواب دیا جس سے صنف نازک کی تسکین ہوگئی۔

جہاد کی جیسی کچھ فضیلت ہے اس سے عام اہل علم واقف ہیں لیکن یہ لفظ اپنے مفہوم کے اعتبار سے اپنے اندر بہت وسعت رکھتا ہے۔ہر وہ کوشش اور سعی جو اللہ کے دین کی سر بلندی اور ترویج واشاعت کے لئے ہو یا منکرات کے مٹانے کی غرض سے ہو وہ جہاد ہے۔حضور علیہ السلام کا مشہور ارشاد ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے جو شخص کسی منکر (برائی) کو دیکھے اس میں طاقت ہو تو اسے ہاتھ سے مٹائے ورنہ زبان سے اس کے خلاف جہاد کرے نہیں تو دل میں اس کو بُرا جانے اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔قرآن عزیز میں ہے:...جاھدوا فی اللہ حقّ جھادہ۔(الحج) کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرو جیسے کرنے کا حق ہے اور سورۂ عنکبوت کے آخر میں ہے۔

"جو لوگ ہماری راہ میں کوشش کرتے ہیں ہم ان پر ہدایت کے راستے کھول دیتے ہیں"۔

(مفہوم آیت)

یہ تمام آیات واحادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ جہاد کے مفہوم بہت کچھ شامل ہے لیکن "قتال" ایک ایسا لفظ ہے جو لڑائی کے معنی میں مستعمل ہے۔عورت اپنی خلقی کمزوری اور دوسرے معلوم اسباب کی وجہ سے اس قابل نہیں کہ وہ دست بدست جنگ کر سکے۔لڑائی توپ کی ہو یا تلوار کی عورت کے بس میں نہیں (مستثنیٰ واقعات کی نوعیت الگ ہے) اس لئے کہ اسے اس طرف توجہ دلائی کہ حج وعمرہ عورتوں کے لئے جہاد کی مانند ہیں لیکن ایسا جہاد جس میں باقاعدہ لڑائی نہیں۔حج وعمرہ میں سفر کی تکالیف

اور صعوبتیں اور اس جیسی دوسری پریشانیاں اپنی جگہ چونکہ موجود ہیں اس لئے یہ ایک طرح کا جہاد ہی ہے لیکن اس میں اس بات کو یاد رکھنا ضروری ہے کہ بغیر شرعی محرم عورت حج وعمرہ نہیں کر سکتی۔ عورت کی عصمت وعفت کی حفاظت پر اسلام بہت زور دیتا ہے اس لئے اجازت کے باوجود اسے پسند نہیں کرتا کہ وہ مسجد میں جا کر نماز پڑھے۔ گھر میں اس کی نماز زیادہ ثواب کا باعث ہوگی اور حج وعمرہ میں سفر اور دوسری پریشانیاں ہیں۔ اس لئے تنہا اسے گھر سے نکلنے کی اجازت نہیں۔ حج وعمرہ کے لئے مال وغیرہ کی شرائط اپنی جگہ ہیں اور عورت کے حق میں یہ شرط زائد ہے۔ بعض دوسری احادیث میں ہے جب عورت نے ہر نیکی میں مردوں کی ترجیحات کا سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ نماز کی پابندی، زکوٰۃ کی ادائیگی، خاوند کی اطاعت اور اس کی عدم موجودگی میں اس کے حقوق کی حفاظت عورت کے حق میں جنّت کی ضمانت ہے۔ بعض روایات سے مختلف لڑائیوں میں عورتوں کا اس طرح شامل ہونا کہ ابتدائی طبی امداد جیسے فرائض انہوں نے ادا کئے اپنی جگہ درست وصحیح ہیں۔ لیکن عملی قتال کی عورت بہر حال متحمل نہیں۔ اس لئے حضور علیہ السلام نے اس کی جنگی کمزوریوں کا اس طرح مداوا کیا اور نیکی کے معاملہ میں اسے احساس کمتری سے بچایا کہ یہی پیغمبرانہ حکمت اور فضل الٰہی کا تقاضہ تھا۔

ہر حال میں اللہ کا ذکر کرنا :

(۲۲) عَنْ عَائِشَۃَ رضی اللّٰہ تعالٰی عنھا قَالَتْ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ و الہ واصحابہ وسلم یَذْکُرُ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ اَحْیَانِہٖ ۔(رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ وسلام اللہ علیہا ورضوانہ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ و اصحابہ وسلم ہر وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا کرتے تھے۔

''اللہ کا ذکر'' اس کی جو کچھ اہمیت ہے ''خدام الدین'' کے قاری کم از کم اس سے خوب خوب آگاہ ہوں گے کہ قریباً ۲۸ برس الامام مولانا احمد علی لاہوری قدس سرہٗ کے ارشادات جو قرآن وحدیث کا نچوڑ ہوتے تھے اس مجلہ میں چھپتے رہے۔ اور تقریباً ۱۸ سال سے حضرت المخدوم مولانا عبیداللہ انور خلف الرشید حضرت لاہوری قدس سرہٗ کے ارشادات شائع ہو رہے ہیں۔ اور یہ حدیث بارہا نقل کی گئی۔ جہاں تک ذکر کا تعلق ہے قرآن عزیز نے بتلایا ہے کہ انسانی قلوب کے اطمینان کا انحصار اس

پر ہے اور ایک جگہ عقل مند لوگوں کی علامتیں ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ کھڑے' بیٹھے' لیٹے ہر حال میں اللہ کا ذکر کرتے ہیں۔ حضور علیہ السلام کا اپنا عمل مبارک وہ ہے جو اماں عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی زبان سے سنا اور حکم یہ ہے کہ اپنی زبانوں کو ہمیشہ اللہ کی یاد سے تروتازہ رکھیں۔ نبی رحمت علیہ السلام نے ذکر کے فوائد بیان فرمائے ایک اہم ترین فائدہ یہ ذکر فرمایا کہ اس سے دلوں کا میل کچیل ختم ہو جاتا ہے یعنی انسان غلطی کرتا ہے' جرم وخطا کا ارتکاب کرتا ہے تو اس کے دل پر زنگ لگ جاتا ہے' دل سیاہی کا شکار ہو جاتا ہے حدیث میں ہے کہ دل پر سیاہ نقطہ پڑ جاتا ہے توبہ اور انابت سے آدمی کام لے تو وہ ختم ہو جاتا ہے ورنہ گناہ کے بعد ایک اور نقطہ پڑ جاتا ہے حتّٰی کہ دل پوری طرح سیاہ ہو جاتا ہے۔ اس کیفیت کو قرآن عزیز نے ''ران'' سے تعبیر فرمایا۔

تو اللہ کا ذکر اور اس کی یاد ایسا سرمایہ اور ایسی نعمت ہے کہ وہ سیاہی دور ہو جاتی ہے دل منجھ جاتا ہے اور پاک صاف ہو جاتا ہے المیہ یہ ہے کہ آج امت مسلمہ اپنے عظیم المرتبت پیغمبر ﷺ کی محبت کا دم بھرتی ہے لیکن محض نام کی حد تک عملاً بالکل نہیں۔ اس کا نام دوعملی ہے اور یہ اللہ کو بالکل پسند نہیں۔ اپنے نبی ﷺ کی اتباع واطاعت کا تقاضہ یہ ہے کہ انسان کا دل اس کی یاد سے معمور ہو اس کی زبان ذکر الٰہی سے تر ہو اور باقی اعضاء وجوارح پر اس کا پورا پورا اثر ہو۔ وما علینا الاّ البلاغ۔

غیبت :

(۲۳) عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قَالَتْ قُلْتُ لِلنَّبِيِّ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم حَسْبُكَ مِنْ صَفِيَّةَ كَذَا وَكَذَا قَالَ بَعْضُ الرُّوَاةِ تَعْنِي قَصِيرَةً فَقَالَ لَقَدْ قُلْتِ كَلِمَةً لَوْ مُزِجَتْ بِمَاءِ الْبَحْرِ لَمَزَجَتْهُ قَالَتْ وَحَكَيْتُ لَهُ إِنْسَانًا قَالَ وَمَا أُحِبُّ أَنِّي حَكَيْتُ إِنْسَانًا وَإِنَّ لِي كَذَا وَكَذَا. (ابوداؤد۔ترمذی)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ وہ کہتی ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے عرض کیا کہ آپ ﷺ کو حضرت صفیہ (آپ بھی حضور علیہ السلام کی اہلیہ تھیں) رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے متعلق یہ چیزیں کافی ہیں (بعض روایانِ حدیث نے بیان کیا کہ حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا چھوٹے قد کی تھیں) یہ سن کر رسول صلی اللہ تعالےٰ علیہ واصحابہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا

کہ تم نے ایک ایسا کلمہ کہا ہے کہ اگر اس کو سمندر میں ملا دیا جائے تو اس پر غالب آ جائے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا میں نے (تو) ایک آدمی کی حالت کا تذکرہ کیا آپ ﷺ نے فرمایا اپنے سے کسی کی نقل کو پسند نہیں کرتا اگر چہ میرے لئے اتنا اتنا (مال) ہو۔

حضور علیہ السلام کی ازواج مطہرات میں حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی شامل تھیں جو علاقہ خیبر کے ایک بہت بڑے سردار کی صاحبزادی تھیں۔ فتح خیبر کے بعد مسلمان ہو کر آپ ﷺ کے عقد میں آئیں۔ امت کے عام افراد کے لئے ضرورۃً چار بیویوں کی اجازت ہے لیکن اللہ کے پیغمبر ﷺ کا معاملہ سوا تھا آپ ﷺ نے کئی نکاح کئے جن کی مصالح پر الگ سے گفتگو کی جاسکتی ہے اور علماء نے بہت کچھ لکھا بھی ہے۔

اس حدیث میں یہ کہنا مقصود ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ذکر میں صرف اتنی سی بات کہی کہ وہ چھوٹے قد کی تھیں تو حضور علیہ السلام نے اس کو بھی سخت ناپسند فرمایا اور فرمایا کہ یہ ایک ایسا کلمہ ہے۔ جسے سمندر میں ملا دیا جائے تو اس پر غالب آ جائے گویا غیبت اتنا بڑا گناہ ہے کہ اتنی سے بات سمندر کو متاثر کر سکتی ہے۔ قرآن عزیز کی سورۃ حجرات میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے غیبت کے متعلق ارشاد فرمایا کہ غیبت کرنا ایسا ہے جیسے مردہ بھائی کا گوشت کھانا۔

غیبت کا معنی ہے کسی کی عدم موجودگی میں اس کا اس انداز سے ذکر کرنا کہ اسے ناگوار ہو حضور علیہ السلام سے جب سوال کیا گیا کہ ہم کسی کی عدم موجودگی میں ایسی بات کریں جو اس میں واقعۃً موجود ہو تو کیا وہ بھی غیبت میں شامل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہی تو غیبت ہے اگر ایسی بات کہی جائے گی جو اس میں موجود نہ ہو تو وہ بہتان ہے جو زیادہ سنگین جرم ہے غیبت جیسا کچھ سنگین معاشرتی جرم ہے اس کا اندازہ مندرجہ بالا اشارات سے ہو سکتا ہے لیکن اس کے مقابلہ میں آج کے مسلم معاشرہ کی جو حالت ہے۔ وہ اتنی سنگین اور پریشان کن ہے کہ توبہ بھلی۔ عوام سے لے کر اہلِ علم تک کسی مجلس میں بھی آپ چلے جائیں سوائے غیبت و بدگمانی اور چغل خوری کوئی بات نظر نہیں آئے گی۔ بعض جائز صورتیں ایسی ہیں جن کا ذکر احادیث میں آتا ہے اور قرآن مجید میں بھی بعض اشارات موجود ہیں۔ مثلاً چھٹے پارہ کی ابتداء میں ہے کہ ظالم کے ظلم کا اظہار جائز ہے تاکہ دوسرے اس سے بچ سکیں اور مظلوم کی دادرسی کا

انتظام ہو سکے۔ اس قسم کی چند واضح اور جائز صورتوں کے علاوہ جس نوع کے تذکرے اور چرچے ہمارے یہاں ہوتے ہیں وہ بڑے ہی شرمناک ہیں۔

غیبت' بدگمانی' ایک دوسرے کا مذاق اڑانا' ہنسی ٹھٹھا وغیرہ ایسی چیزیں ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے سختی سے روکا اور سورۃ حجرات انہی معاشرتی آداب کے متعلق بھری پڑی ہے۔

مجالس میں اگر دوسروں کا ذکر کرنا ہی ناگزیر ہو تو باہمی محبت واحترام کے ساتھ ہونا چاہیے کہ اس سے دلوں میں عقیدت واحترام اور محبت بڑھتی ہے۔ اور معاشرہ صحیح معنوں میں جنتی معاشرہ بن جاتا ہے۔

مصوروں کو سزا :

(۲۴) عَنْ عَائِشَۃَ رضی اللّٰہ تعالٰی عنہا قَالَتْ قَدِمَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ و الٰہ و اصحابہ وسلم مِنْ سَفَرٍ وَقَدْ سَتَرْتُ سَھْوَۃً لِّی بِقِرَامٍ فِیْہِ تَمَاثِیْلُ فَلَمَّا رَأٰی رَسُوْلُ اللّٰہ صلّی اللّٰہ تعالٰی علیہ والہ واصحابہ وسلم تَلَوَّنَ وَجْھُہٗ وَقَالَ یَا عَائِشَۃُ اَشَدُّ النَّاسِ عَذَابًا عِنْدَ اللّٰہِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ الَّذِیْنَ یُضَاھُوْنَ بِخَلْقِ اللّٰہِ قَالَتْ فَقَطَعْنَاہُ فَجَعَلْنَا مِنْہُ وِسَادَۃً اَوْ وِسَادَتَیْنِ. (بخاری ومسلم)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ وہ بیان فرماتی ہیں کہ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم ایک سفر سے تشریف لائے اور میں نے اپنے ایک چبوترہ پر ایک پردہ لٹکا رکھا تھا جس میں تصویریں تھیں۔ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب اس کو دیکھا تو آپ ﷺ کے چہرہ کا رنگ بدل گیا اور فرمایا اے عائشہ! اللہ تعالیٰ کے نزدیک قیامت کے روز وہ لوگ سخت عذاب میں مبتلا ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کی خالقیت کی نقلیں اتارنا چاہتے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ اس کے بعد ہم نے اس کو پھاڑ ڈالا اور اس سے ایک یا دو تکیے بنائے۔

ہم نے امّ المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی چالیس روایات کے ترجمہ وتشریح کا جو سلسلہ شروع کر رکھا ہے اس کے ضمن میں اس سے قبل بھی ایک روایت پیش خدمت کی جا چکی ہے جس یہ واضح کیا گیا تھا کہ جس گھر میں کتے یا تصویریں ہوں وہاں اللہ تعالیٰ کی رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے۔ یہ حدیث جو آپ ﷺ نے اب پڑھی اور اس کا ترجمہ بھی ملاحظہ فرمایا اس میں ایک ایسے

واقعہ کی نشاندہی کی گئی ہے جو خود آپ ﷺ کے خانہ مبارک میں پیش آیا۔ حضور علیہ السلام نے پردہ پر موجود تصاویر پر سخت برہمی کا اظہار فرمایا۔ آپ ﷺ کے چہرہ انور کا رنگ متغیر ہو گیا اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ تصویر بنانے والوں کو سخت ترین عذاب سے دوچار ہونا پڑے گا وجہ بالکل ظاہر ہے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی صفت خالقیت میں دخل اندازی کرتے ہیں اور ظاہر ہے کہ یہ بڑا جرم ہے یہ واضح ہے اللہ تعالیٰ اپنی ذات وصفات کے معاملہ میں کسی قسم کی شرکت کسی صورت میں گوارنہیں کرتے۔

حضرت بایزید بسطامی قدس سرہٗ کے متعلق منقول ہے کہ ان کے پاس ایک عورت تعویذ لینے کیلئے آئی مقصد یہ تھا کہ اس کا خاوند جو دوسری شادی کرنا چاہتا ہے وہ اس سے باز آ جائے حضرت بایزید قدس سرہٗ نے فرمایا کہ بی بی مسئلہ تو بالکل واضح ہے ایک مرد کو چار تک خواتین سے نکاح کی اجازت ہے تو میں کیسے تعویذ دے دوں۔ اس عورت نے اپنے حسن و جمال کا واسطہ دے کر کہا کہ اسلام کا قانون پردہ رکاوٹ نہ ہوتا تو میں آپ کو اپنے حسن و جمال کا نظارہ کراتی تو آپ بھی فیصلہ فرماتے کہ ایسی حسین و جمیل عورت کی موجودگی میں دوسری عورت کی گنجائش نہیں۔ اس پر حضرت بایزید بسطامی قدس سرہ پر وجد کی سی کیفیت طاری ہو گئی اور بعد میں احباب کے سوال پر بتایا کہ ایک عورت ذات اپنے عارضی حسن کی وجہ سے شریک گوارا نہیں کرتی تو اللہ تعالیٰ جو خالق حسن و جمال ہیں وہ اپنا شریک کیسے گوارا کر لیں گے۔

الغرض ''تصویر سازی'' اس لیے جرم ہے کہ اسمیں اللہ تعالیٰ کی صفت خالقیت کا منہ چڑانے کی بات ہے اور بعض احادیث میں یہ بھی آتا ہے کہ ایسے لوگوں سے قیامت کے دن کہا جائے گا کہ جو تصویریں تم نے بنائی ہیں اس میں روح ڈالو۔ ظاہر ہے کہ یہ کسی کے بس کا روگ نہیں اور اس لیے نبی رحمت ﷺ نے ایسے لوگوں کے متعلق سخت ترین اور شدید ترین عذاب کی وعید سنائی۔ المیہ یہ ہے کہ مسلمان حضور ﷺ کے امتی اور دعوے محبت کے باوجود ایسی ڈگر پر چل رہے ہیں جو کسی طرح بھی صحیح و درست نہیں حضور ﷺ کی ایک ایک سنت پامال ہو رہی ہے اور ایسے لوگوں کے متعلق حدیث میں ہے کہ قیامت کے روز یہ ساقیٔ کوثر ﷺ کے ہاتھوں آبِ کوثر سے محروم رہیں گے اور ان لوگوں کے متعلق فرمایا جائے گا۔ سُحْقاً سُحْقاً لِمَنْ غَيَّرَ بَعْدِيْ کہ ان لوگوں کے لیے ہلاکت و بربادی ہے جنہوں نے میرے بعد دین کو تبدیل کیا۔ آج مسلم معاشرہ میں تصویر سازی کا فتنہ جتنی تیزی سے پھیل رہا ہے اور نیک و بد عالم و جاہل اور امیر و وزیر اس ابتلا کا شکار ہیں وہ بڑا ہی المیہ ہے اے کاش! نبی رحمت علیہ السلام

کے غیظ وغضب میں ڈوبے ہوئے اس ارشاد سے ہم عبرت حاصل کریں۔وما علینا الا البلاغ۔

بے فائدہ قسمیں :

(۲۵) عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ تعالیٰ عنہاقَالَتْ اُنْزِلَتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ "لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللهُ بِاللَّغْوِ فِيْ اَيْمَانِكُمْ" فِيْ قَوْلِ الرَّجُلِ لَا وَاللهِ وَ بَلٰى وَاللهِ. (بخاری)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ آپ لا یؤخذکم اللہ الخ (یعنی اللہ تعالیٰ تمہاری بے فائدہ قسموں میں نہیں پکڑتا) انسان کے قول لا واللہ (نہیں اللہ کی قسم) اور بلیٰ واللہ (ہاں اللہ کی قسم) کے متعلق نازل ہوئی۔

اس حدیث کے متعلق ایک صاحبِ علم کا نوٹ چھپا دیکھا تھا "عربوں کا دستور تھا کہ باتوں میں زور پیدا کرنے کے لئے ہرایک بات پر "لا واللہ' بلیٰ واللہ" بولتے تھے۔اس قسم کی قسموں کو یمین لغو کہتے ہیں۔اس قانون کی رو سے کفارہ واجب نہیں ہوتا" عربوں کے بعد اب ہرکسی کی یہ عادت بن گئی ہے کہ وہ بات بات پر قسم کھاتا ہے ایسا کرنا اللہ کے نزدیک لغو اور بے ہودہ عمل ہے۔بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ زیادہ قسمیں کھانے والا اللہ تعالیٰ کے نزدیک جھوٹا تصور کیا جاتا ہے۔

قسم کھانے کی گنجائش اور اجازت ہے لیکن ناگزیر ضرورت اور مجبوری کے وقت' ورنہ اس سے اجتناب کرنا چاہیے اور قسم میں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی چیز کی قسم کھانا بہت بڑا گناہ اور حدیث کی رو سے شرک ہے۔لوگ کعبہ' قرآن' پیغمبر' وغیرہ کے نام کی قسمیں بالعموم کھالیتے ہیں جو سخت جرم ہے۔اس جرم کے مرتکب افراد اللہ تعالیٰ کی ان قسموں کو بنیاد بناتے ہیں جو قرآن مجید میں موجود ہیں اللہ رب العزت نے قرآن میں مختلف النوع اشیاء کی قسمیں کھائی ہیں۔لیکن یہ دلیل بے وزن اور بودی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی پاک ذات مکلّف نہیں نہ ہی ان ضابطوں کی پابند جن کے ہم پابند اور مکلّف ہیں ہم مسلمان اور مومن ہونے کی حیثیت سے کچھ حدود اور ضابطوں کے پابند ہیں ان حدود او ضابطوں کو تسلیم کر کے ہی ہم مومن و مسلمان ہو سکتے ہیں ورنہ دعویٰ ایمان عبث و بیکار اور باطل ہے۔ دعویٰ اسلام کے بعد ان تمام حقائق کو تسلیم کرنا جو اللہ کیطرف سے پیغمبر اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلائے اور سمجھائے۔ان ارشاداتِ رسالت میں غیر اللہ کے نام کی قسم کو ممنوع بلکہ شرک قرار دیا گیا ہے۔

دوسری بات جس کی طرف توجہ دلانی ضروری ہے وہ حدیث کی رو سے یہ ہے کہ ایسی قسمیں جو بات بات پر کھائی جائیں ان پر مواخذہ نہیں لیکن اس کا یہ مقصد نہیں کہ یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہے بلکہ اس عادتِ بد کو ترک کرنا ضروری ہے۔

ایک اور بات جس کا اظہار لازم ہے وہ ہے جھوٹی قسم! دیدہ و دانستہ جھوٹی قسمیں کھانا۔ حدیث کی رو سے شدید قسم کا جرم ہے۔ سرکارِ مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کبیرہ گناہوں سے جب صحابہ کرامؓ کو آگاہ کیا تو جھوٹی قسم اور جھوٹی شہادت وغیرہ کو بڑی شد ومد سے ذکر فرمایا۔

بہر حال ایک مسلمان کی حیثیت سے لازم ہے کہ ہم شرعی ضابطوں کا زندگی کے ہر معاملہ میں لحاظ کریں اور قسم کے متعلق بھی قرآن وسنت کے نقطۂ نظر کو پوری احتیاط سے اپنائیں کہ اسکے بغیر زندگی محض کھیل اور فضول ہے۔

کھانے اور بول وبراز کے تقاضہ کے وقت نماز کی ادائیگی:

(۲۶) عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ والہ واصحابہ وسلم یَقُوْلُ لَا صَلٰوۃَ بِحَضْرَۃِ طَعَامٍ وَ لَا وَھُوَ یُدَافِعُہُ الْاَخْبَثَانِ۔ (مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے وہ بیان فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ فرمارہے تھے کھانے کے موجود ہونے کے وقت نماز (کامل) نہیں ہوتی اور ایسے ہی دو خبیث چیزوں (بول وبراز) کی حاجت کے وقت۔ (مسلم)

عبادت نماز کی جتنی کچھ اہمیت ہے وہ ایک امر معلوم ہے حضور علیہ السلام نے اسے ''عماد الدین'' ارشاد فرمایا ہے اور فرمایا کہ اس کے قیام پر دین اسلام کے قیام کا دارومدار ہے ورنہ دین باقی نہیں رہے گا ہر عبادت کی ادائیگی کا کوئی طریقہ ہے اور اس کے کچھ آداب واحکام ہیں مثلاً روزہ ہے تو ایک بالغ مسلمان کیلئے طلوع فجر سے غروبِ آفتاب تک کھانے پینے اور خواہشات سے رکے رہنے کا نام ہے۔ لیکن اس کے آداب میں اپنے آپ کو غیبت، چغلی، بدنیتی، بدنظری جیسے رذائل سے بچانا ہے وغیر ذالک اسی طرح نماز کے اوقات ہیں اس کے آداب واحکام ہیں اس کے ارکان وشرائط ہیں ورنہ نماز نہیں ہوگی۔ حضور علیہ السلام نے ان تمام چیزوں کو الگ الگ وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا فجر کی دو رکعت سنت دو فرض، ظہر کی چار رکعت سنت چار فرض پھر دو سنت، عصر کی چار سنت غیر مؤکدہ چار فرض،

مغرب کے تین فرض دو سنت، عشاء کی چار سنت غیر مؤکدہ چار فرض دو سنت اور تین وتر ہیں ہر نماز کے اوقات کی حد مقرر فرمائی نماز کے لیے جگہ کپڑوں اور جسم کی پاکیزگی کو لازمی قرار دیا استقبال قبلہ اور تصحیح نیت کی تاکید فرمائی، قیام وقرأت اور رکوع وسجدہ نیز قعدہ کو اس کے ارکان بتلایا۔ قرأت کی مقدار، رکوع وسجود کی تسبیحات ارشاد فرمائیں وغیر ذالک۔

اسی طرح اس حدیث میں بعض آداب ذکر ہیں ایک تو یہ کہ جب کھانا موجود ہو تو پہلے کھانا کھالو۔ پھر نماز پڑھو اس کی وجہ حدیث کی مشہور کتاب مسلم جس کی یہ روایت ہے کے شارح علامہ نووی قدس سرہٗ نے لکھی کہ ''بہتر یہ ہے کھانا نماز ہو جائے لیکن نماز کھانا نہ بنے'' یعنی اگر کھانا موجود ہے اس کی خواہش بھی ہے اور آدمی نے نماز شروع کر دی تو نماز میں مسلسل دھیان کھانے کی طرف رہے گا اور اس طرح نماز کھانا بن جائے گی۔ اور اگر یہ سوچا کہ جلدی سے کھانا نمٹا کر نماز پڑھوں گا تو انشاء اللہ تعالیٰ اس حسن نیت کا ثواب مستقل ملے گا ہم نے اچھے بھلے سمجھدار لوگوں کو دیکھا کہ وہ کہتے ہیں جلدی سے نماز پڑھ لیں پھر آرام سے کھانا کھائیں گے۔ حالانکہ ہونا یوں چاہیے کہ جلدی سے کھانا کھالیں پھر آرام سے نماز پڑھیں گے تو مزہ اس میں ہے۔ اصل مقصد تو نماز وعبادت ہے کھانا ایک ضرورت ہے کھانا کو نمٹانے کی فکر ہونا چاہیے۔ اور اصل مقصد کو مقصد بنانا چاہیے۔

اسی طرح کسی کو بول وبراز کا تقاضا ہے اور سوچا کہ چلو جلدی سے نماز پڑھ لو پھر قضاء حاجت کی فکر کریں گے تو ذہن مسلسل بوجھ کا شکار رہے گا اور بول وبراز روک لینے تکلیف کا اندیشہ بھی ہے نماز اسی کا شکار ہو جائے گی اور اگر طبعی حاجت پوری کرنے کے بعد ہلکا اور یکسو ہو کر اطمینان اور سکون سے نماز پڑھی تو وہ انشاء اللہ تعالیٰ دوگنا برکات وثمرات کا باعث بنے گی اس حدیثِ پاک کی روشنی میں کھانے کی موجودگی ورغبت کے باوجود نماز پڑھنے اور بول وبراز کی حاجت کے وقت نماز میں مشغول ہونے کو فقہاء نے مکروہ لکھا اور فقہاء کی اصطلاح میں مطلق مکروہ کا مقصد مکروہ تحریمی ہوتا ہے جو حرام کے قریب ہے اس لیے احتیاط بہت لازم ہے۔

مغفرت طلب کرنے کا بیان :

(۲۷) عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و سلم يُكْثِرُ اَنْ يَّقُوْلَ قَبْلَ مَوْتِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ اَسْتَغْفِرُ اللہ وَاَتُوْبُ اِلَيْهِ. (بخاری ومسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنی وفاتِ شریفہ سے قبل بکثرت یہ کلمات فرماتے سبحان اللہ، آخر تک ۔۔۔۔۔ جن کا ترجمہ یہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ پاک ہیں اپنی تعریف کے ساتھ، اللہ سے معافی چاہتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں موت ایک اٹل حقیقت ہے جس سے کسی کو مفر نہیں قرآن مجید میں ہے کہ "ہر جی کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے" (آل عمران) سورۃ رحمٰن میں ہے "ہر چیز پر فنا طاری ہونے والی ہے اور بقاء صرف اللہ تعالیٰ کی عظمت وکبریائی والی ذات کو حاصل ہے" اور سورۂ قصص کے آخر میں ہے "ہر چیز ہلاک وفنا ہونے والی ہے۔ سوائے اللہ کی پاک ذات کے" بعض لوگوں نے حضور نبی کریم ﷺ کے متعلق جب کہا کہ آپ عنقریب مر کر فنا ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر آپ دنیا سے رخصت ہو جائیں گے تو ایسا کہنے والے سدا دنیا میں رہیں گے"؟ اور ایک جگہ فرمایا انہوں نے بھی دنیا سے جانا ہے آپ نے بھی، پھر تم سبھی اپنے رب کے حضور کھڑے کیے جاؤ گے"۔

مختصر یہ کہ موت کا حقیقت کے طور پر اللہ تعالیٰ نے تعارف کرایا اور روزانہ "یہ مرا وہ مرا" اس کی نعش آئی وہاں کا جنازہ اٹھا" جیسی باتیں واقعات وحقائق کے طور پر ہمارے سامنے آتی ہیں اور ہر شخص نے زندگی میں دسیوں جنازے پڑھے اور مرنے والوں کی تجہیز وتکفین میں شرکت کی لیکن موت کے معاملہ میں اسلام کا نقطۂ نظر دوسرے مذاہب وادیان سے مختلف ہے اسلام موت کو "نقل مکانی" کا نام دیتا ہے بحوائے حدیث نبوی اسے ایک ایسے پل سے تعبیر کرتا ہے جو وصال حبیب کا ذریعہ بنتی ہے جس کا مطلب ومفہوم یہ ہے کہ مرنے کے بعد ایک نئے انداز کی زندگی شروع ہوتی ہے جس کا ایک حصہ قبر و برزخ کا ہے دوسرا حصہ قیامت ویوم جزاء کا۔ قبر و برزخ کے متعلق حضور علیہ السلام کے تفصیلی ارشادات موجود ہیں اسے آپ ﷺ نے "روضته من رياض الجنته" بتلایا کہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ اور اس کے بالمقابل اسے جہنم کا گڑھا بھی بتایا۔ یعنی اچھے اور برے انسان کے حق میں قبر کی یہ حالتیں مختلف ہوں گی۔ عذاب وثواب قبر کا مسئلہ اہل السنت والجماعت کے نزدیک ایک مسلمہ مسئلہ کے طور پر موجود ہے اور جزاء قیامت کے دن کا جہاں تک تعلق ہے تو قرآن وحدیث کی تشریحات، تفصیلات کا سلسلہ لامتناہی ہے قبروں سے اٹھنا سورۂ یٰسین میں مرقوم ہے اعمال کا تلنا سورۂ انبیاء میں مرقوم ہے، مشرک وکافر کی عدم بخشش کا واضح اور دوٹوک فیصلہ سورۂ نساء میں موجود ہے اور باقی گنہگاروں کے لیے

مغفرت ومعافی کا انحصار اللہ تعالیٰ کی رحمت پر ہے، سزا دیکر معاف کرے اس کی مرضی بغیر سزا کے معاف کردے اس کی مرضی۔ ان تفصیلات سے موت اور موت کے بعد کی زندگی کے مختلف مراحل واضح ہوتے ہیں اور معلوم یہ ہوتا ہے کہ موت کے بعد خیر وفلاح کا انحصار انسان کے ایمان واعمال صالحہ پر ہے۔ ایمان کی درستگی عقیدہ کی اصلاح، استقامت فی الدین توفیق الٰہی پر منحصر ہے اور اعمال صالحہ کی توفیق بھی وہی بخشتا ہے انسان خطا ونسیان کا پتلا ہے زندگی میں اس سے لغزشیں اور خطائیں ہوتی ہیں ارحم الراحمین نے توبہ اور طلبِ مغفرت کو اس کا ذریعہ بتلایا اور حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو توبہ کرلیتا ہے وہ ایسا ہے جیسے کسی نے گناہ نہیں کیا توبہ کے متعلق اللہ تعالیٰ کا حکم سورۂ تحریم میں موجود ہے کہ تم ''توبہ نصوح'' سے کام لو جس کا معنی ہے مخلصانہ توبہ۔ اور سورۂ نساء میں ہے کہ جہالت وناواقفیت کی وجہ سے جرائم کا ارتکاب کرنے والے لوگ جونہی ان کا ضمیر انگڑائی لیتا ہے اور وہ اللہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان پر نظر شفقت فرماتے اور ان کی توبہ قبول کرلیتے ہیں لیکن مسلسل گناہ آلود زندگی گزارنے والے موت کے فرشتے سامنے آنے پر توبہ توبہ جو کرتے ہیں تو وہ توبہ قبول نہیں ہوتی۔ انسان کو چاہیے کہ وہ ہر وقت اپنے آپ کو اس کیلئے تیار رکھے اور توبہ استغفار سے کام لے تاکہ قبر وآخرت کی منزلیں آسان ہوں۔ چونکہ قرآن وسنت کے نقطۂ نظر سے موت کا کوئی وقت متعین نہیں اسلئے اپنی صفائی ہر وقت ضروری ہے اور جوں جوں انسان کی صحت وعمر کا معاملہ دگرگوں ہونے لگے تو اس وقت ایسا کرنا اور پورے اہتمام سے کرنا اور ضروری ہے۔ حضور علیہ السلام کے عمل سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کو اس کا کتنا احساس تھا اور اس احساس کی بنیاد امت کیلئے اسوہ اور نمونہ تھا کیونکہ آپ اللہ کے نزدیک ہر قسم کے گناہوں سے پاک صاف تھے۔ اللہ تعالیٰ اپنے رحم سے ایمان کی موت سے سرفراز فرمائیں اور دنیا سے رخصت ہونے سے پہلے اپنی ذات کے ساتھ معاملہ درست وصحیح کرنے کی توفیق دیں۔

خدمت ومحنت :

(۲۸) عَنِ الْاَسْوَدِ قَالَ سَاَلْتُ عَنْ عَائِشَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھَا مَاکَانَ لِلنَّبِیِّ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ واصحابہ وسلم یَصْنَعُ فِیْ بَیْتِہٖ قَالَتْ کَانَ یَکُوْنُ فِیْ مِھْنَۃِ اَھْلِہٖ تَعْنِیْ خِدْمَۃَ اَھْلِہٖ فَاِذَا حَضَرَتِ الصَّلَاۃُ خَرَجَ اِلَی الصَّلَاۃِ۔ (بخاری)

ترجمہ: حضرت اسود تابعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے امّ المومنین سیدہ طاہرہ صدیقہ حمیراء

عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے دریافت کیا کہ گھر میں حضور خاتم المعصومین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مشاغل کیا ہوتے تھے۔ انہوں نے فرمایا کہ اپنے گھر والوں کی ''محنت'' میں لگے رہتے تھے۔ ''محنت'' سے اماں عائشہ کا مطلب تھا کہ اپنے گھر والوں کی خدمت میں لگے رہتے اور جب نماز کا وقت آ جاتا تو آپ ﷺ نماز کے لئے تشریف لے جاتے۔

اس حدیث سے چند باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ الف: حضور ﷺ اپنے گھر اہل وعیال کی خدمت میں مشغول رہتے تھے۔ یہ بات بعض دوسری احادیث سے بھی معلوم ہوتی ہے کہ اللہ کے نبی علیہ السلام گھر کے کام کاج بڑی رغبت اور شوق سے کرتے اور اس معاملہ میں آپ ﷺ کو کوئی حجاب نہ تھا تفصیلات کے مطابق اپنے کپڑے دھونا' پھٹے ہوئے کپڑوں کی مرمت کرنا' جوتے کو گانٹھ لینا' بکری ہو تو اس کا دودھ دوھ لینا' گھر کے آنگن وغیرہ کی صفائی' سبھی کام آپ ﷺ خود کر لیتے تھے۔ اس کے علاوہ ذخیرۂ احادیث کو کنگھالیں' سیرتِ مطہرہ کے ابواب میں ہر موقع پر اپنے احباب صحابہ علیہم الرضوان کے ساتھ ہر معاملہ میں مشارکت آپ کو نظر آئے گی مسجد قبا کی تعمیر ہو یا مسجد نبوی کی۔ مدینہ منورہ کے دفاع کے لئے خندق کھودنے کا معاملہ ہو' یا سفر جہاد میں اجتماعی امور سرانجام دینے کا۔

ہر جگہ آپ ﷺ مصروف عمل نظر آئیں گے۔ گویا ''محنت وخدمت'' سے آپ ﷺ کو عار نہیں تھا اور یہ سب کام آپ ﷺ بڑے شوق سے کرتے۔ دوسرے انبیاء علیہ السلام کی سیرت کے جو اوراق دستیاب ہیں ان سے بھی اس قسم کی باتیں واضح ہوتی ہیں کہ اللہ کے نبیوں نے بکریاں چرائیں لوہے کو ڈھالا' درزی کا کام کیا' بڑھئی کی خدمات سرانجام دیں اور جو کام شرعاً اور اخلاقاً معیوب نہ تھا اسے بلا حیل وحجت کیا۔

حضور علیہ السلام کو ''محنت وخدمت'' اتنی عزیز تھی کہ آپ ﷺ نے ہاتھوں سے محنت و مشقت کرنے والوں کو اللہ کا محبوب قرار دیا۔ ''محنتی طبقہ'' کو قدر ومنزلت کی نگاہوں سے دیکھا۔ اور ہر طرح عزت افزائی کی اس کے برعکس امت کی جو حالت اب ہے وہ المناک اور از حد پریشان کن ہے اب تو مسلم معاشرہ میں عورت بچے کو دودھ تک پلانے سے گریز کرتی ہے اور ڈبے کے دودھ پر گزر بسر ہوتی ہے گھر کا کام کاج عورتوں نے چھوڑ دیا چکی گئی' چرخہ گیا' سینے پرونے کا کام گیا' گھر کی صفائی گئی' کھانا پکانا گیا اور ہر چیز میں نوکروں اور نوکرانیوں کی خدمات تلاش کی گئیں۔ اس سے معاشرتی بگاڑ

اور اخلاقی فساد پیدا ہوا۔ معاشرہ میں طبقاتی کش مکش نے جنم لیا اور "محنتی" لوگ "کمین" کہے جانے لگے اور انہیں نفرت وحقارت کا نشانہ بنالیا گیا جس سے شرف انسانی مجروح ہوا۔ کتنا تفاوت اور فرق ہے اللہ کے نبی ﷺ کے ارشادات وعمل اور امت کی سوچ میں ------- فیا حسرتا۔

ب: ضمناً یہ معلوم ہوا کہ اہل بیت کون ہیں؟ لوگوں نے اس لفظ کے مصداق کے تعین میں بلا وجہ کھینچا تانی کی ----- قرآن عزیز نے حضور علیہ السلام کی ازواج مطہرات سلام اللہ عَلَیْھِنَّ رِضْوَانُھُنَّ کو اس عنوان کا معنون بتلایا اور بس لیکن امت اور اس کا بالخصوص وہ طبقہ جن کی غذا لچھے دار تقریریں ہیں اور جو بے عمل واعظ اور پیشہ ور مقرر کہے جاتے ہیں انہوں نے اہل بیت کو کیا سے کیا بناڈالا۔ یہ حدیث اس کے تعین میں بڑی واضح ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ اپنے گھر والوں کی خدمت میں مشغول رہتے۔ یہاں گھر والوں سے کون مراد ہے؟ سمجھنا مشکل نہیں؟ یوں اگر وسعت دی جائے تو امت کا ہر صاحب صلاح وتقویٰ حضور علیہ السلام کے آل کا فرد ہے۔ جیسا کہ احادیث میں موجود ہے۔

ج: تیسری بات نماز کی ہے۔ خدمت ومحنت کا سلسلہ جاری رہتا لیکن نماز کا وقت آجاتا تو پھر سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر خالقِ کائنات کی طرف متوجہ ہو جاتے۔ نماز جتنی اہم چیز ہے وہ معلوم ہے۔ قرآن ابتداء سے انتہا تک اس فریضہ کی تاکید سے بھرا ہوا ہے۔ پیغمبر عربی ﷺ کے ارشادات کا سلسلہ لامتناہی ہے۔ دنیا سے رخصت ہوتے ہوئے آخری وصیت نماز کی تھی۔ قرآن نے نماز کو حکمرانوں کا فرض اوّلین بتلایا۔ حضور علیہ السلام نماز کے جتنے حریص تھے اس پر دسیوں حدیثیں شواہد کے طور پر پیش کی جاسکتی ہیں۔ صحابہ علیہم الرضوان کے بقول جو نماز نہیں پڑھتا تھا، اسے ہم مسلمان خیال نہیں کرتے تھے کہ اسلام کی ظاہری نشانی یہی ہے۔ نماز ایک ایسا فرض ہے جس میں رعایتوں کا سلسلہ دراز تر ہے لیکن معافی نہیں۔ قیام کی طاقت نہ ہو تو قعود کی اجازت ہے ایسا ممکن نہ ہو تو لیٹ کر پڑھی جاسکتی ہے۔ رکوع، سجدہ مشکل ہو تو اشارہ کی اجازت ہے، پانی نہ ہو یا اس کے استعمال کی قدرت واجازت نہ ہو تو زمین پر تیمّم ہو سکتا ہے۔ سفر ہو تو سنن معاف اور فرض چار کے دو ہو جاتے ہیں۔ حتّٰی کہ میدان جنگ میں بھاگتے بھاگتے پڑھنے کی اجازت ہے اور انتہا یہ ہے یہ کہ خندق کی جنگ کی انتہائی شدّت ہوئی تو سرکارِ دو عالم ﷺ کی نماز قضا ہوگئی۔ آپ ﷺ نے کبھی کافروں کے لئے بددعا نہیں کی لیکن آج کردی اور عرض کیا

اے اللہ! ان کی قبریں جہنم کا گڑھا بنادے۔۔۔۔۔۔یہ سب کچھ نماز کے اہتمام وتاکید کا قصہ ہے۔اللہ تعالیٰ امت کو توفیق دے۔آمین!!

یسر وسہولت اور انتقام :

(۲۹) عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ تعالی عنہا قَالَتْ مَا خُيِّرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ واصحابہ وسلم بَيْنَ اَمْرَيْنِ قَطُّ اِلَّا اَخَذَ اَيْسَرَهُمَا مَا لَمْ يَكُنْ اِثْمًا فَاِنْ كَانَ اِثْمًا كَانَ اَبْعَدَ النَّاسِ مِنْهُ وَمَا انْتَقَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ واصحابہ وسلم لِنَفْسِهٖ فِيْ شَيْءٍ اِلَّا اَنْ يَّنْتَهِكَ حُرْمَةَ اللّٰهِ فَيَنْتَقِمُ لِلّٰهِ بِهَا. (بخاری، مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ سلام اللہ تعالیٰ علیہا و رضوانہ سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ جب رسول ﷺ کے سامنے دو کام آتے تو ان میں سے آپ ﷺ آسان کام کو اختیار فرماتے جب تک کہ وہ آسان کام گناہ کا موجب نہ ہوتا اور اگر گناہ ہوتا تو آپ ﷺ لوگوں میں ایسے کام سے سب سے زیادہ دور رہنے والوں سے ہوتے۔اور آپ ﷺ نے کسی معاملہ میں کبھی اپنے نفس کے لئے (کسی سے بدلہ) نہیں لیا مگر اس صورت میں جبکہ اللہ تعالیٰ کی حرام کی ہوئی چیزوں کی بے حرمتی کی جاتی تو آپ ﷺ اللہ کے لئے انتقام لیا کرتے تھے۔(یعنی سزا دیتے تھے)

حدیث پاک میں دو چیزیں بیان فرمائی گئیں ہیں ایک تو یہ کہ دو کام سامنے آنے پر حضور نبی اکرم ﷺ آسان پہلو کو اختیار فرماتے لیکن ایسا نہیں کہ وہ پہلو موجب گناہ ہو۔اور ظاہر ہے کہ ایسا تو ممکن نہیں کہ اللہ کا نبی گناہ کا کام کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے جن بندوں کو وحی کی گراں بار ذمہ داریوں کے لئے منتخب فرماتے ہیں ان کا باطن اتنا اجلا اور صاف ہوتا ہے کہ وہ ہر وقت اللہ سے جُڑے رہتے ہیں حتّٰی کہ سوتے ہوئے بھی غافل نہیں ہوتے۔اور جیسا کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سونے کے دوران انبیاء کی آنکھیں سوتی ہیں دل نہیں سوتے اور یوں بھی ان کا اخلاق و کردار ایسا ہی بلند ہونا چاہیے کہ کوئی دشمنِ خدا و دین ان پر حرف گیری نہ کر سکے۔یہ نبی کی ذات ہوتی ہے جو علیٰ رؤس الاشھاد لوگوں سے کہتا ہے کہ بتاؤ میں کیسا ہوں؟ اس قسم کی گراں قدر مرتبت اور سراپا خیر و برکت ہستی گناہ تو کیا کرے گی گناہ کا تصور بھی نہیں کر سکتی یہی عصمتِ انبیاء کا معنی ہے اور جو لوگ انبیاء علیہم السلام کی بشریت کے

جواز کے لئے گناہ کا صدور لازمی قرار دیتے ہیں وہ خوف خدا سے نابلد اور اپنے دین وایمان کے دشمن ہیں۔انبیاء کی بشریت کے لئے اور بھی ان گنت دلائل موجود ہیں گناہ ضروری نہیں بلکہ ان کا گناہوں سے پاک ہونا ضروری ہے۔ہاں آسانی اور سہولت الگ بات ہے اور وہ اس لئے کہ اللہ کے نبی کی زندگی لوگوں کے لئے نمونہ ہوتی ہے اور خاص طور پر آنحضرت ختمی مرتبت کی زندگی تو صبح قیامت تک کی انسانیت کے لئے اسوۂ حسنہ ہے جیسا کہ قرآن نے ارشاد فرمایا۔وہ اپنی ذات کے معاملہ میں عزیمت و مشقت کا ہر پہلو برداشت کر لیتے ہیں۔لیکن امت کے لئے نمونہ بننے والی چیزوں میں یسر وسہولت پر آپ ﷺ نے عمل فرمایا بلکہ دوسروں کو بھی یہی سبق دیا ارشاد نبوی ﷺ ہے کہ دین یسر وسہولت کا نام ہے اور فرمایا کہ دین میں نرمی وآسانی برتو اور لوگوں کے ساتھ سختی کا رویہ اختیار کر کے نفرت کی فضا پیدا نہ کرو۔حضور علیہ السلام کا ساری ساری رات کا جاگنا' مسلسل روزے رکھنا' فاقوں پر فاقے' جہاد مسلسل اور دین اسلام کی راہ میں ہر سختی وتکلیف برداشت کرنا آپ ﷺ کا عزیمانہ عمل تھا لیکن امت کے لئے سہولت اختیار فرمائی اور اسی کا حکم دیا۔

دوسری بات جو حدیث میں ہے وہ ہے کسی سے انتقام لینا۔سیّدہ فرماتی ہیں کہ آپ نے اپنے نفس کے لئے کسی سے انتقام نہیں لیا۔طائف کی مصیبت اور اُحد کی پریشانی سے بڑھ کر کوئی مصیبت اور پریشانی نہیں ہوسکتی لیکن آپ ﷺ نے کبھی بددعا نہیں فرمائی اور فرمایا کہ مَیں بدعا کے لئے دنیا میں نہیں آیا مَیں تو سراپا رحمت ہوں اور یوں دعا فرمائی کہ اے اللہ! انہیں ہدایت دے لیکن یہی نبی جو ذاتی تکالیف کے معاملہ میں اس قدر حوصلہ وتحمل کا مظاہرہ فرماتے ہیں۔جب حدودِ الٰہی کی پامالی کی بات ہوتی ہے تو سراپا غیظ وغضب بن جاتے ہیں مثلاً بنو مخزوم کی ایک مجرمہ عورت کے مقدمہ میں سفارش کرنے والے حضرات کو فرمایا کہ تمہاری یہ جرأت؟ واللہ العظیم میری بیٹی خدانخواستہ ایسا کرتی تو اسے بھی سزا ملتی۔ یا فتح مکہ کے موقع پر عام معافی کا اعلان ہوا لیکن بعض وہ مرد اور عورتیں جو شدید ترین دینی وقومی جرائم کے مرتکب ہوئی تھیں ان کے لئے فرمایا کہ اگر یہ کعبہ کے پردہ کے ساتھ لٹکے ہوئے بھی ملیں تو قتل کردو۔ بعض یہودیوں کو آپ ﷺ نے قتل کرایا اس لئے کہ ان کے جرائم بڑے سنگین تھے۔

یہی دین کی تعلیم ہے کہ اپنی ذات کی بات ہو تو برداشت کرلو۔تعلیم نبوی ﷺ ہے کہ پہلوان وہ نہیں جو دوسرے کو پچھاڑ دے پہلوان وہ ہے جو غصہ کو پی لے۔لیکن دین کی بات آئے تو آپ

ﷺ فرماتے کہ میں تم سب سے زیادہ غیرت مند ہوں اور میرے اللہ مجھ سے زیادہ غیرت مند ہیں اور واقعہ یہ ہے کہ دین کی عمارت کی بنیاد غیرت پر ہے ورنہ دین کی عمارت درہم برہم ہو جاتی ہے۔

نبی ﷺ کی وراثت :

(۳۰) عَنْ عَائِشَةَ رضی اللّٰہ تعالی عنھا قَالَتْ مَا تَرَکَ رَسُولُ اللّٰہِ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه و اٰله واصحابه وسلم دِیْنَارًا وَّ لَا دِرْھَمًا وَلَا شَاۃً وَّلَا بَعِیْرًا وَ لَا اَوْصٰی بِشَیْءٍ۔
(رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت اُمّ المومنین سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ جناب رسول ﷺ نے سانحۂ ارتحال کے بعد نہ درہم چھوڑے نہ دینار نہ بکری' نہ اونٹ (اور نہ از قسم مال) کسی چیز کی آپ ﷺ نے وصیت فرمائی۔ ''وراثت'' کے معنی اور حقیقت سے بالعموم لوگ آگاہ ہیں۔ قرآن کریم میں وراثت سے متعلق اصولی قوانین موجود ہیں فقہاء امت نے حضور علیہ السلام کے ارشادات کی روشنی میں بڑی بسط وتفصیل سے وصیت کا ذکر کیا ہے۔ حضور علیہ السلام کے ارشادات کی روشنی میں کوئی مرنے والا اپنے مال کے ایک تہائی سے زائد حصہ کی وصیت نہیں کر سکتا کسی مسجد و مدرسہ یا دینی و رفاہی ادارہ کے لئے یا کسی دوست' عزیز اور مسلمان کے لئے ایک تہائی کی وصیت کی اجازت ہے پھر یہ بھی ہے کہ وصیت ان لوگوں کے لئے ہو سکتی ہے جو شرعی وارث نہیں۔ شرعی وارث کے لئے وصیت کی گنجائش نہیں۔ پھر قرآن میں بیٹے' بیٹی' میاں' بیوی وغیرہ کے لئے وراثت کے مقررہ حصوں کا بیان ہے وغیرذالک۔ لیکن جہاں تک انبیاء کرام علیہم السلام کا تعلق ہے بعض مسائل میں ان کی خصوصیات ہیں جن کا ذکر قرآن وحدیث میں موجود ہے مثلاً نبی ﷺ کے دنیا سے رخصت ہونے کے بعد ان کی ازواج مطہرات سے کوئی دوسرا نکاح نہیں کر سکتا جیسا کہ سورۃ احزاب میں تفصیل موجود ہے۔ اسی طرح درہم ودینار اور اونٹ بکری اور ہر وہ چیز جو از قسم مال شمار ہوتی ہے اس کا نبی سے کوئی تعلق نہیں ہوتا نہ نبی ایسی چیز چھوڑ کر جاتا ہے نہ ایسی چیز کی وصیت کرتا ہے انبیاء علیہم السلام بالعموم فقر کی زندگی بسر کرتے ہیں حضور نبی امی علیہ السلام نے فقر کو اپنا سرمایہ فخر قرار دیا اور مال و دولت [illegible] نہیں ہوتا۔ ان کے گھر میں کئی کئی دن آگ نہیں جلتی اور نہ وہ ایسا پسند کرتے [illegible]

طرح آئے کہ ان کے گھر میں سرمایہ دولت ہو۔ ہمارے نبی رحمت ﷺ کا معاملہ تو اس سلسلہ میں یہ تھا کہ اس کو پڑھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے دنیا سے رخصت ہوئے تو زرہ ایک یہودی کے پاس بطور قرض رہن تھی۔ یہ حالات ہوں تو سرمایہ و دولت کیسی اور وراثت یا اس کی وصیت کیسی؟ البتہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہماری وراثت علم ہے۔ جیسا کہ صحیح احادیث میں موجود ہے۔ اور بعض روایات مشہورہ کے پیش نظر علماء کو جو وارث انبیاء قرار دیا گیا ہے تو اسی لئے کہ وہ علم نبوی ﷺ کے وارث ہوتے ہیں حضور ﷺ کے ارشاد کے مطابق جسے علم نبوت میں سے حصہ نصیب ہوتا ہے۔ وہ بڑا ہی خوش قسمت اور سعادت مند ہے۔

سیّدہ صدیقہؓ کی روایت اس معاملہ میں اور بھی وزنی ہے کہ نبی علیہ السلام کے آخری ایام آپؓ کے حجرہ مبارکہ میں گزرے اور آپ کے حجرہ ہی آپ ﷺ کا مزار انور بنا۔

ان حدیثی تفصیلات کے بعد آپ ﷺ کی وراثت کے متعلق بعض لوگوں کا بعض روایات کو پھیلانا اور ان کی آڑ میں داستان سرائی کرنا خطرناک جسارت اور قرآن وسنت کے واضح حقائق کا انکار ہے۔

اللہ کے نبی اس قسم کا کوئی ترکہ چھوڑ کر نہیں جاتے اور جب واقع میں ایسا نہیں ہوتا تو کسی نبی کی اولاد میں سے کسی مرد وزن کا اس نوع کا مطالبہ ایک ایسا جھوٹ ہے جس کی جسارت کسی نبی کی صالح اور نیک اولاد نہیں کر سکتی یقیناً یہ بعد کی اکاذیب ہیں جنہیں یار لوگوں نے بد دیانتی سے گھڑ کر پھیلایا اور اس کا مقصد بڑا واضح ہے کہ ایسا کیوں کیا؟ انبیاء کو چھوڑ کر ان کے سچے خدّام اور متبعین میں ایسے ہزاروں لاکھوں افراد کا حال کتب تاریخ مل سکتا ہے جنہوں نے زندگیاں اس حال میں گزار دیں کہ وہ دنیا سے رخصت ہوئے تو ان کے پلّے کچھ نہ تھا اور یوں پاک صاف ہو کر اپنے رب سے جا ملے۔ رحمہم اللہ تعالیٰ۔

صدّیق اکبرؓ کی امامت :

(۳۱) عَنْ عَائِشَۃَ رضی اللہ تعالی عنہا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم لَا یَنْبَغِیْ لِقَوْمٍ فِیْھِمْ اَبُوْ بَکْرٍ اَنْ یَّؤُمَّھُمْ غَیْرُہٗ. (ترمذی)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا کہ

جس جماعت میں ابوبکرؓ ہوں اس کے لئے زیبانہیں کہ ان کے سوا کوئی اور امامت کرائے۔

صحابہ علیہم الرضوان کا ہر فرد آفتاب و ماہتاب کی مانند ہے تاہم ہر جماعت کی باہمی فضیلت کوئی انوکھی چیز نہیں خود جماعت انبیاء علیہم السلام میں ایسا ہی ہے جیسا کہ تیسرے پارہ کی ابتدائی آیت میں ہے **تِلْکَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ** . اسی اصول کے پیش نظر حضرات صحابہ علیہم الرضوان میں بھی بعض کو بعض پر فضیلت ہے۔ اور یہ بالکل بدیہی بات ہے۔

جماعت صحابہؓ کی باہمی فضیلت سے متعلق ایک بات تو قرآن مجید میں موجود ہے۔ سورۃ حدید میں ہے کہ ''فتح مکہ سے پہلے جن لوگوں نے اللہ کے لئے خرچ کیا وہ اور اس کے بعد خرچ کرنے والے برابر نہیں''۔

''اصحاب شجرہ'' یعنی بیعت رضوان میں شریک ہونے والوں کی دوسروں پر فضیلت مسلّم ہے پھر ''اصحاب بدر'' کو جو قدر و منزلت حاصل ہے وہ دوسروں کو حاصل نہیں اور اس کے بعد عشرہ مبشرہ کی فضیلت امر واقعہ ہے جب کہ ان میں خلفاء اربعہ اسی ترتیب سے افضل ہیں جس ترتیب سے وہ خلافت سے سرفراز ہوئے۔ خلفاء اربعہ میں حضرت صدیق اکبرؓ کی قدر و منزلت اور آپؓ کا مقام سب سے بلند ہے۔ آپؓ خلیفہ بلافصل ہیں اور ''جانشین رسول'' کا سنہری لقب آپ ہی کے لیے زیبا ہے۔ آپ کو سب سے پہلے قبول اسلام کی دولت نصیب ہوئی۔ ہجرت کی رات میں نبی کریم علیہ السلام کی رفاقت نصیب ہوئی جس کا ذکر قرآن عزیز کی سورۃ توبہ میں موجود ہے زندگی کے ہر موڑ پر جس خلوص و ایثار سے آپؓ نے اپنا سرمایہ و مال نبی کریم ﷺ پر اور آپ کے توجہ دلانے پر خرچ کیا اسکا اندازہ اس بات سے ہوسکتا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں نے ہر شخص کے احسان کا بدلہ چکا دیا۔ ابوبکرؓ کے معاملات اللہ کے سپرد کرتا ہوں وہی انہیں بدلہ دیں گے آپؓ کو حضور ﷺ کے خسر ہونے کا شرف حاصل ہوا اور باہمی تعلق نے ایسا رنگ باندھا کہ صبح قیامت تک قبر میں رفاقت نصیب ہوئی۔

حضرت عائشہ سلام اللہ تعالیٰ علیہا ورضوانہ کے بقول ایک مرتبہ حضرت ابوبکر صدیقؓ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم دوزخ کی آگ سے آزاد کر دیئے گئے ہو اس کے بعد ہی آپ کا لقب عتیق پڑ گیا۔ صدیق بھی آپ کا لقب گرامی ہے جس پر قرآن عزیز کے پارہ چوبیس (۲۴) کی دوسری آیت گواہ ہے معاندین و حاسدین صحابہؓ تک اس بات کے معترف ہیں

کہ اس سے مراد آپ ہی کی ذات گرامی ہے قرآن عزیز کی سورۃ اللیل میں بھی آپ کے انفاق فی سبیل اللہ کے ضمن میں آپ کی تعریف کی گئی ہے

قبول اسلام میں اولیت واقعہ معراج کے بعد ابوجہل کی زبان سے واقعہ سن کر حضور ﷺ کی تصدیق فرمانا ایسے ان گنت واقعات ہیں جو آپؓ کے لقب صدیق کے شاہد ہیں۔ آپ کی بے پناہ خوبیوں کی اس سے بڑھ کر کیا اہمیت ہوسکتی ہے کہ خود آپ کے آقا و مولیٰ آپ کی تعریف فرماتے ہیں۔ حتّٰی کہ جس بیماری میں سرکار مدینہ کا سانحہ ارتحال پیش آیا۔ اس کے موقع پر فرمایا کہ مسجد نبوی کی طرف جن جن کی کھڑکیاں اور دروازے کھلتے ہیں سب بند کر دیے جائیں سوائے ابوبکرؓ کے! اور یہ بھی اسی وقت کی بات ہے جب حضور علیہ السلام زیادہ بیمار تھے اور مسجد میں تشریف آوری مشکل تھی تو فرمایا کہ ابوبکرؓ کو کہو لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ان کی رقّتِ قلبی کا عذر کیا تو آپ نے فرمایا۔۔۔ نہیں وہی یہ کام کریں گے اور جیسا کہ ابتدائی حدیث میں گزرا اس سے بڑھ کر کوئی سند نہیں ہوسکتی، کہ خود سرکار نے فرمایا کہ جس جماعت میں ابوبکرؓ موجود ہوں اس کی امامت کوئی دوسرا کرے یہ بات زیبا ہی نہیں۔

حضور نبی اکرم ﷺ کا آپ کو امام صلوٰۃ بنانا درحقیقت آپ کی خلافت کی طرف ایک لطیف اشارہ تھا اور صحابہ علیہم الرضوان نے اسے اشارہ ہی سمجھا کیونکہ ان کے نزدیک جو اہم ترین فرض خداوندی کی پاسداری کا مستحق ہوسکتا ہے اس سے بڑھ کر قوم کے امور معاملات کا کون مستحق ہوسکتا ہے؟ اس وجہ سے حضرت عمر فاروق اعظمؓ نے سقیفہ بنی ساعدہ میں فرمایا۔ جب بعض لوگوں نے خلافت کیلئے آپ کا نام پیش کیا کہ ابوبکر صدیقؓ کی موجودگی میں میں امیر وامام بنوں یہ ناممکن ہے۔

الغرض قرآن وحدیث اور حضراتِ صحابہ علیہم الرضوان کے آثار مبارکہ کی رو سے حضرت ابوبکرؓ کا جو مقام ہے پوری امت میں وہ کسی کو نصیب نہیں بلاشبہ وہ ذاتِ رسالت کے بعد امت کے سب سے بڑے محسن ہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے فضائل:

عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قَالَتْ بَیْنَا رَأْسُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ تعالیٰ

علیہ والہ واصحابہ وسلم فِی حِجرِیْ فِیْ لَیْلَۃٍ ضَاحِیَۃٍ اِذْ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللہِ ھَلْ یَکُوْنُ لِاَ حَدٍ مِّنَ الْحَسَنَاتِ عَدَدَ نُجُوْمِ السَّمَاءِ قَالَ نَعَمْ عُمَرُ قُلْتُ فَاَیْنَ حَسَنَاتُ اَبِیْ بَکْرٍ قَالَ اِنَّمَا جَمِیْعُ حَسَنَاتِ عُمَرَ حَسَنَۃٌ وَّاحِدَۃٌ مِّنْ حَسَنَاتِ اَبِیْ بَکْرٍ۔ (رواہ زرین)

ترجمہ: حضرت اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ سلام اللہ تعالیٰ علیہا ورضوانہ سے روائیت ہے۔ وہ فرماتی ہیں کہ ایک چاندنی رات (جبکہ) رسول اللہ ﷺ کا سراقدس میری گود میں تھا میں نے عرض کیا یارسول اللہ! کیا کسی شخص کی اتنی نیکیاں ہیں جتنے آسمان میں ستارے ہیں؟ فرمایا، ہاں عمرؓ کی اتنی نیکیاں ہیں میں نے عرض کیا کہ ابوبکرؓ کی نیکیوں کا کیا حال ہے؟ فرمایا عمرؓ کی تمام نیکیاں ابوبکرؓ کی نیکیوں میں سے ایک نیکی کے برابر ہیں۔

اس حدیثِ پاک میں ''بزمِ صحابہ'' کے دو اہم ترین بزرگوں حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت فاروقِ اعظمؓ کے کمالات وفضائل کا ذکر ہے۔ ہر جماعت اور طبقہ کے افراد میں باہمی فضیلت کا اصول بالکل مسلم ہے اور یہ اصول حضرات صحابہ علیہم الرضوان میں بھی جاری وساری ہے اس اصول کے پیش نظر حضرت ابوبکر صدیقؓ کا مقام ومرتبہ بہت بلند اور اتنا بلند ہے کہ **ما لا مزید علیہ** آپ کے بعد حضرت عمر فاروقِ اعظمؓ کی ذات گرامی ہے جو ایک وجہ سے پوری جماعت صحابہؓ میں ممتاز ہے وہ وجہ حضرت امیر شریعت السید عطاء اللہ شاہ بخاری الحسنی قدس سرہ کے الفاظ میں یہ ہے کہ باقی تمام صحابہ حضور علیہ السلام کے ارادت مند اور مرید ہیں جبکہ حضرت عمرؓ آپ ﷺ کی مراد ہیں۔ یہ حضور علیہ السلام کی اس مبارک دعا کی طرف بلیغ اشارہ ہے جس میں آپ نے اللہ تعالیٰ سے اسلام کی عظمت وسربلندی کیلئے عُمر وعَمر و میں سے ایک کو اللہ تعالیٰ سے طلب کیا تھا۔ عمر سے مراد حضرت عمرؓ کی ذاتِ گرامی ہے اور عمرو سے مراد فرعون امت ابوجہل ہے۔ جو اپنی بدبختی اور نامرادی کی وجہ سے آخر دم تک اسلام کا بدترین مخالف رہا اور آخر غزوۂ بدر میں ذلت ورسوائی کی موت مرا۔ اس ایک وجہ سے تو حضرت عمرؓ کو جو امتیاز حاصل ہے وہ انہی کا حصہ ہے۔ جبکہ بحیثیت مجموعی حضرت صدیق اکبرؓ ان سے بڑھے ہوئے ہیں۔

کسی کی عزت وعظمت کا اصل راز اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کا کمال تقویٰ ہے جماعتِ صحابہؓ میں حضرت صدیق اکبرؓ کو تقویٰ انابت، خدا خوفی اور تعلق مع اللہ کا جو شرف حاصل ہے وہ انہی کا حصہ ہے یہ واحد بزرگ ہیں جنہوں نے حضور ﷺ کی دعوتِ ایمان کو بلا چون چرا تسلیم کیا اور مسلمان ہونے

کے بعد خدمت اسلام میں ایسے محو ومشغول ہوئے کہ اپنا سب کچھ اللہ کی راہ میں لٹا دیا۔ حضرت بلالؓ جیسے متعدد مظلوم حضرات تھے جو قبولیت اسلام کے "جرم" میں اپنے ظالم وسفاک آقاؤں کے جور وستم کا شکار تھے صدیق مکرمؓ کی دولت ان حضرات کی نجات کا ظاہری ذریعہ بنی۔ اور یوں آپ نے متعدد حضرات کو ان کے اسلام کے پیش نظر خرید خرید کر آزاد کر دیا۔ ہجرت کی رات گھر کا اثاثہ وسرمایہ لیکر چلے تا کہ حضور علیہ السلام کی خدمت کر سکیں، اور پھر غارِ ثور کے تین دن آپ نے اور آپ کے سارے گھرانے نے جس ایثار وخلوص اور قربانی وفدائیت کا مظاہرہ کیا اس کی مثال پوری انسانی تاریخ میں مشکل سے ملے گی۔

جیش عُسرہ کے موقع پر اپنے گھر کا تمام سرمایہ سرکارِ مدینہ کے قدموں میں ڈھیر کرنے کی آپ ہی کو سعادت حاصل ہوئی۔ اس کے علاوہ مختلف مواقع پر آپ نے جس طرح اسلام، پیغمبر اسلام ﷺ اور مظلوم مسلمانوں کی خدمت کی وہ ایک ریکارڈ ہے۔ اس خلوص وللہیت کا ثمرہ ہی تھا کہ آسمان کے تاروں کے برابر نیکیوں کی بات تو حضرت عمرؓ کے حق میں کی گئی لیکن آپ کے لیے فرمایا گیا کہ ابوبکرؓ کی ایک نیکی ایک طرف اور عمرؓ کی تمام نیکیاں ایک طرف! حضرت ابوبکرؓ کی کونسی نیکی ہے جو اتنی بھاری اور وزنی ہے کہ حضرت عمرؓ کی ان گنت نیکیوں سے بھی بڑھ کر ہے۔ بالعموم ہجرت کی رات کے متعلق کہا جاتا ہے کیونکہ حضور ﷺ کے قتل کا مکمل منصوبہ موجود ہے۔ اور دنیائے کفر آپ ﷺ کے خون کی پیاسی ہے۔ ایسی حالت میں سرکار ﷺ کو اپنے کندھوں پر اٹھا کر کئی میل دور غار میں پہنچانا اور غار میں داخل ہونے سے پہلے غار کی صفائی کا حتی الوسع اور حتی الامکان اہتمام کرنا اور ایک سوراخ جو بند نہیں ہو سکا اس پر اپنی ایڑی رکھ لینا اور سانپ کے وار پر وار سہہ لینا لیکن حرکت نہ کرنا، تا کہ سرکار ﷺ کو زحمت نہ ہو۔

یہ مقام آپ ہی کا ہے آپ کی یہی ادائیں تھیں جو نا صرف رسول اللہ ﷺ کو پسند تھیں بلکہ ربِ محمد ﷺ کو پسند تھیں حضور ﷺ نے اپنا لعاب دہن زخمی پاؤں پر لگایا تو ربِ محمد ﷺ نے لاتحزن کے الفاظ میں وحی بھیج کر صدیق اکبرؓ کا تذکرہ قرآن میں محفوظ کر کے انہیں زندہ جاوید بنا دیا رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ کیا مقام ہے حضرت عمرؓ کا کہ آسمان کے ستارے ان کی نیکیوں کا مقابلہ نہیں کر سکے۔ اور کیا مقام ہے صدیق اکبرؓ کا کہ ان کی ایک نیکی اتنی عظیم ہے۔ کہ سبحان اللہ!

صحابہ علیہم الرضوان کی انہی خصوصیات نے انہیں زندہ جاوید بنایا ربِ کائنات نے انہیں معیارِ حق وصداقت قرار دیا تو سرکار ﷺ نے نجوم ہدایت بتایا۔ اللہ تعالیٰ امت کی طرف سے ان حضرات کو بہترین اجر عطا فرمائے۔ اللھم آمین ! ثم آمین!!

حضرت عثمانؓ کی منقبت :

(۳۳) عَنْ عَائِشَۃَ رضی اللہ تعالی عنہا اَنَّ النَّبِیَّ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ و اصحابہ و سلم قَالَ یَا عُثْمَانُ اِنَّہٗ. لعل اللّٰہ یقمصک قمیصا فان ارادوک علی خلعہ فلا تخلعہ لھم . (رواہ الترمزی و ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ سلام اللہ تعالیٰ علیہا ورضوانہ سے روایت ہے۔ وہ کہتی ہیں کہ ایک روز حضور نبی مکرم ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ شاید اللہ تعالیٰ تم کو ایک کرتہ پہنائے (یعنی خلعت پہنائے) پس اگر لوگ اس کو (زبردستی) اتارنا چاہیں تو تم ان کے لیے اس کو نہ اتارنا۔ حضرت عثمانؓ ان اکابر صحابہ میں سے ہیں جنہیں ابتدائی دور ہی میں اللہ تعالیٰ نے قبولیت اسلام کی عزت وتوفیق بخشی انہیں مدینہ طیبہ کے ساتھ ساتھ حبش کی ہجرت کی بھی توفیق نصیب ہوئی اور جب آپ نے حبش کی ہجرت فرمائی تو حضور نبی مکرم ﷺ کی صاحبزادی حضرت رقیہ سلام اللہ تعالیٰ علیہا ورضوانہ جو آپ کی اہلیہ محترمہ تھیں وہ بھی آپ کے ساتھ تھیں۔ اسی موقع پر سرکار دوعالم ﷺ نے فرمایا تھا کہ حضرت لوط علیہ السلام کے بعد یہ پہلا جوڑا ہے جو راہِ خدا میں ہجرت کر رہا ہے حضرت رقیہ کی وفات کے بعد سرکار نے اپنی دوسری صاحبزادی حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح حضرت عثمانؓ سے فرمادیا اوران کے انتقال کے بعد فرمایا کہ اگر میری چالیس بچیاں ہوتیں تو یکے بعد دیگرے ان کے نکاح حضرت عثمانؓ سے کر دیتا۔

اس طرح اس دوہری عزیز داری کی وجہ سے آپ کو ذوالنورین کہتے ہیں۔ (جبکہ ذوالنورین کہے جانے کی وجوہات اور بھی ہیں) قرآن عزیز میں جس بیعت رضوان کا ذکر ہے اس کا باعث آپ ہی کی ذاتِ گرامی تھی کیونکہ حضور علیہ السلام اپنے چودہ سو رفقاء گرامی سمیت حدیبیہ میں فروکش تھے کہ آپ نے حضرت عثمانؓ کو سفارت کے طور پر مکہ معظمہ بھیجا تا کہ کفارِ مکہ سے گفتگو ہو سکے۔ کہ ہمارا مقصد محض

عمرہ اور طوافِ کعبہ ہے اور بس۔ اور جب یہ خبر اڑ گئی کہ آپ شہید ہو گئے ہیں تو حضور سرکارِ مدینہ ﷺ نے درخت کے نیچے بیعت لی جسے بیعت شجرہ اور بیعتِ رضوان کہا جاتا ہے۔ دوسرے یہ کہ حضور علیہ السلام نے سب سے بیعت لیکر اپنے ایک ہاتھ کو عثمانؓ کا ہاتھ قرار دیا اور اس طرح ان کو بیعت میں شامل فرمایا۔ امام مسلم نے سیدہ صدیقہؓ کائنات رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہی ایک اور روایت نقل کی جس میں حضور علیہ السلام نے فرمایا:۔

''کہ میں اس شخص سے کیوں نہ حیا کروں جس سے فرشتے حیا کرتے ہیں''۔

ایک روایت میں ہے کہ سرکار ﷺ ایک مرتبہ فتنوں کا ذکر فرما رہے تھے ایک صاحب منہ سر لپیٹے گزرے۔ فرمایا ایسے وقت یہ گزرنے والے حق پر ہونگے لوگوں نے دیکھا تو حضرت عثمانؓ تھے آپ ﷺ نے ایک صاحب کی نمازِ جنازہ اس لیے نہ پڑھی کہ وہ حضرت عثمانؓ سے بغض رکھتے تھے۔ مختلف قومی و ملی کاموں میں آپ نے جس طرح مالی قربانی کی وہ ایک ریکارڈ ہے۔ ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ میں میٹھے پانی کا کنواں بیش قیمت سے خرید کر وقف کرنا آپ کا ہی کارنامہ تھا۔ اور جیش عسرہ (غزوہ تبوک) کی تیاری کیلئے جتنی آپ نے خدمت کی اس سے حضور علیہ السلام اس قدر مسرور ہوئے کہ بارگاہِ قدس میں عرض کیا۔

اے اللہ! میں ان سے راضی ہوں تو بھی ان سے راضی ہو جا۔ حضرت فاروق اعظمؓ نے اپنی مرضِ وفات میں جن چھ اکابر صحابہ پر مشتمل خلافت کیلئے کمیٹی بنائی ان میں ایک آپ کا اسم گرامی تھا اور پھر پوری طرح مشاورت کے بعد یہ ذمہ داری آپ کو سونپ دی گئی۔ بارہ سالہ دورِ خلافت کے کارنامے اس وقت ہمارا موضوع نہیں حضور علیہ السلام نے قمیص پہنانے کی بات کہہ کر آپ کی خلافت کا لطیف اشارہ کر دیا تھا اور پھر آپ جن المناک حالات سے دوچار ہونے والے تھے ان کی خبر بھی دے دی۔ آخری ایام میں مصر و کوفہ اور بصرہ وغیرہ کے شر پسند اور مفسدین جن کا خمیر یہود و مجوس سے اٹھا تھا اور جو حضور علیہ السلام کے زمانہ میں منافقت کے عنوان سے شہرت حاصل کر چکے تھے، اب خاندانِ نبوت کے حقوق کا نعرہ لیکر میدان میں آئے اور ملت کے قائد برحق اور امام عادل پر چڑھ دوڑے۔ آپ نے تمام تر اہتمام کے باوجود جوابی کارروائی نہ کی۔ انتہائی مظلومانہ انداز میں شہید ہو کر اپنا مبارک اسوہ چھوڑ گئے۔ سازشیوں کی ہزار کوشش کے باوجود قبائے خلافت کو نہ اتارا کیونکہ اگر آپ بلوائیوں کے سامنے سر انداز

ہو جاتے تو صبح قیامت تک حکومت وخلافت ایک کھیل بن جاتا۔ شیخین حضرت صدیق وفاروق سلام اللہ علیہما ورضوانہ کے بجائے اس قسم کی بات سرکار دو عالم ﷺ نے آپ کیلئے اس لیے فرمائی کہ شوریٰ کے پورے اہتمام کے ساتھ انعقاد خلافت کا سلسلہ آپ کی ذاتِ گرامی کا رہین منت ہے اور بس۔ آپ نے سرکار دو عالم ﷺ کی ہدایت ووصیت پر عمل فرما کر دنیا کے سامنے اس عظیم منصب کی حفاظت کیلئے اسوہ پیش فرمادیا۔ فرضی اللہ تعالیٰ عنہ و ارضاہ۔

اللہ کی تعظیم :

(۳۴) عَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ رضی اللّٰہ تعالی عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَاَاحَبَّ عَبْدٌ عَبْدَاللّٰهِ اِلَّا حَرَمَ رَبَّه' عزوجلَّ. (رواہ احمد)

ترجمہ : حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ کہتے ہیں رسول ﷺ نے فرمایا۔ جس اللہ کے بندے نے کسی اللہ کے بندے کو دوست رکھا۔ اس نے اپنے بزرگ وبرتر رب کی تعظیم کی۔

ہمارا آپس کا میل جول زندگی کے خوشگوار بنانے کے لئے نہایت ضروری چیز ہے۔ لیکن یہی میل جول اس زندگی کے آگے کی زندگی کے بہتر بنانے کا ذریعہ بھی ہوسکتا ہے اسلام کی خصوصیت یہ ہے کہ اس نے اوّل تو زندگی کو ایک ایسا سلسلہ بتایا ہے جو مرنے سے ختم نہ ہوگا۔ بلکہ اس کے بعد بھی جاری رہے گا۔ اور پھر کبھی موت نہ آئے گی۔ اس لئے کہ انسان پر لازم ہے کہ اس دنیا کی زندگی میں مفید اور نیک کام اس طرح کرے کہ ان کا پھل اسی زندگی میں ختم نہ ہوجائے بلکہ آئندہ زندگی میں بھی ہمیشہ ہمیشہ ملتا رہے اور یہ اس طرح ہوسکتا ہے کہ اچھے کام فقط اس دنیا کے فائدے کے خیال سے نہ کرے بلکہ اس کے کرنے کا مقصد اس سے کہیں اعلیٰ وارفع ہو اور وہ یہ کہ ہر اچھا کام کرتے وقت یہ نیت رکھے کہ یہ کام اللہ کے لئے کر رہا ہوں بس یہی وہ گر ہے جس سے دنیا وآخرت کی زندگی میں نیک عمل کا پھل ملے گا۔ اگر اس کے سوا کوئی اور دنیوی مقصد مقرر کیا تو وہ مقصد دنیا کے بعد ختم ہوجائے گا۔ آگے اس کا کوئی فائدہ نہ ہوگا اللہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا اس لئے جو بندہ اللہ کی رضا کو اپنے نیک کاموں کا مقصد ٹھہرائے گا وہ ان کا پھل ہمیشہ کھائے گا۔

اس حدیث میں بتایا گیا ہے کہ آپس کا میل جول فقط دنیا ہی کا نفع اٹھانے کے لئے نہ کرو۔

دنیا کے کتنے دن ہیں۔ آج مرے کل دوسرا دن۔ جو شخص کسی سے محبت اور میل جول اس لئے کرے گا کہ میں بھی اللہ کا بندہ ہوں اور یہ بھی اللہ کا بندہ ہے تو یقیناً اس نے اپنے رب کا ادب کیا اور اپنے رب کی عزت کی۔ اس احترام کا نتیجہ لازماً یہ ہوگا کہ اللہ اس سے راضی ہو جائے گا اور دنیا اور آخرت دونوں جگہ اس کو اس کے نیک کام کا بہت اچھا بدلہ ملے گا۔

لہٰذا جس سے محبت کرو صرف اس لئے کرو کہ ہم دونوں کا ایک ہی مالک ہے۔ ہم سب کچھ اسی کی خاطر کر رہے ہیں۔ اگر چہ یہ ہمارا عمل دنیا کے اندر ہوگا عام انسانی مادی ضروریات کے لئے ہوگا۔ لیکن ان کا شمار نیک کاموں میں ہوگا۔

منقبت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ :

(۳۵) عَنْ جُمَیْعِ بْنِ عُمَیْرٍ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ دَخَلْتُ مَعَ عَمَّتِیْ عَلٰی عَائِشَۃَ (رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہما) فَسَأَلْتُ اَیُّ النَّاسِ کَانَ اَحَبُّ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و الہ و اصحابہ وسلم قَالَتْ فَاطِمَۃُ فَقِیْلَ مِنَ الرِّجَالِ قَالَتْ زَوْجُھَا. (ترمذی)

ترجمہ: حضرت جمیع بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ ایک بار میں پھوپھی محترمہ کے ساتھ حضرت امّ المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا میں نے حضرت امّ المومنین سے دریافت کیا کہ لوگوں میں سب سے زیادہ رسول ﷺ کو کون محبوب تھا؟ فرمایا: فاطمہ (سب سے زیادہ محبوب تھیں) اس کے بعد حضرت صدیقہؓ سے دریافت کیا گیا کہ مردوں میں سب سے زیادہ کون محبوب تھا؟ فرمایا فاطمہؓ کے شوہر (حضرت علیؓ) حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ و رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور نبی مکرم رحمت دوعالم قائد اعظم واکرم ﷺ کے چچازاد بھائی اور آپ ﷺ کے داماد تھے۔ حضرت فاطمہؓ آپ کی اہلیہ محترمہ تھیں بلکہ حضور علیہ السلام نے حضرت علیؓ کی تربیت فرمائی تھی اور ابھی چھوٹے بچے تھے جب حضور علیہ السلام نبوّت سے سرفراز فرمائے گئے تو آپؓ اسی وقت مسلمان ہو گئے۔ خلافت راشدہ میں چوتھے درجہ پر ہیں۔ اور یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے۔

مندرجہ بالا روایت میں حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ حضرت فاطمہؓ لوگوں میں سب سے زیادہ رسول ﷺ کو محبوب تھیں۔ آپ ﷺ کی چار صاحبزادیاں تھیں۔ حضرت زینب، حضرت امّ کلثوم

حضرت رقیہ ' اور حضرت فاطمہؓ۔ حضرت زینبؓ حضرت ابوالعاصؓ کی اہلیہ تھیں۔ غزوہ بدر کے ستر قیدیوں میں آپ بھی شامل تھے اس وقت تک حضرت زینب مکہ معظمہ میں تھیں۔ انہوں نے اپنی والدہ محترمہ حضرت خدیجہؓ کا دیا ہوا ہار اپنے خاوند کی رہائی کے لئے بھیج دیا جسے دیکھ کر حضور علیہ السلام آبدیدہ ہو گئے اور آپ ﷺ کو حضرت خدیجہ یاد آ گئیں۔ جنہیں آپ ﷺ اکثر یاد فرماتے اور پوچھنے پر فرماتے کہ اس وقت کو یاد کرو جب مجھے لوگوں نے جھٹلایا خدیجہؓ نے میری تصدیق کی اور ہر طرح میرے کام آئیں (او کمال قال علیہ السلام) اور حضرت رقیہ اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضرت عثمانؓ کے نکاح میں تھیں۔ اور حضرت فاطمہؓ حضرت علیؓ کے عقد میں تھیں۔ تین صاحبزادیاں حضور علیہ السلام کی زندگی میں وفات پا گئیں ان کے فضائل بھی منقول ہیں۔ مثلاً حضرت زینبؓ کے متعلق آپ ﷺ نے فرمایا کہ میری یہ بچی ہے جسے میری محبت میں ستایا گیا۔ حضرت فاطمہؓ اس وقت زندہ تھیں جب حضور ﷺ کا سانحہ ارتحال پیش آیا۔

حضرت عائشہ سے ہی منقول ہے کہ اپنی وفات سے کچھ دن پہلے حضور علیہ السلام نے حضرت فاطمہؓ کے کان میں کچھ کہا تو وہ رو پڑیں۔ پھر کچھ کہا تو وہ ہنس پڑیں۔ حضور علیہ السلام کی زندگی میں تو یہ بات راز رہی۔ آپ ﷺ کے بعد حضرت عائشہؓ نے حضرت فاطمہؓ کو اپنے والدہ ہونے کے حقوق یاد دلا کر پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ پہلی مرتبہ آپ ﷺ نے اپنی وفات کی پیش گوئی فرمائی اور فرمایا کہ پہلے جبریل علیہ السلام ہر سال ایک دفعہ قرآن کا دور فرماتے اب کے بار دو مرتبہ کیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ میرا وقتِ آخر قریب ہے۔ دوبارہ آپ ﷺ نے میرے حق میں کلمۂ خیر و محبت فرمایا جس سے میں خوش ہوئی اور ہنس پڑی۔

بہر حال بیٹی سے کس کو محبت نہیں ہوتی۔ جبکہ واقعہ یہ ہے کہ بیٹوں کے مقابلہ میں بیٹیاں والدین کے حق میں زیادہ خیر خواہ ہوتی ہیں۔ کیونکہ آپ ﷺ کی صاحبزادیاں سبھی دنیا سے رخصت ہو چکی تھیں محض آپ ہی رہ گئی تھیں اس لئے محبت و شفقت کی یہ کیفیت لازمی سی بات ہے۔ رہ گئے آپ کے شوہر نامدار تو چند در چند وجوہات اور عزیز داری کے مختلف اسباب تھے جن کی وجہ سے حضرت علیؓ آپ ﷺ کی نظر میں محبوب تھے۔ اصل میں ایک بات سمجھنے کی ہے کہ اس طرح کے ارشادات مختلف

لوگوں کے معاملہ میں بیان کئے گئے ہیں۔ ہر ایک کی وجہ مختلف ہے جسے سمجھنا از حد ضروری ہے۔ اس کی تفصیل میں جانے کا وقت نہیں اس لئے اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

(و اخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین!

ایک جامع دُعا :

(۳۶) عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ تعالی عنہا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ و اصحابہ وسلم عَلَّمَهَا هٰذَا الدُّعَاءَ اَللّٰهُمَّ اِنِّي اَسْئَلُکَ مِنَ الْخَيْرِ كُلِّهٖ عَاجِلِهٖ وَ اٰجِلِهٖ مَا عَلِمْتُ مِنْهُ وَمَا لَمْ اَعْلَمْ وَ اَعُوْذُ بِکَ مِنَ الشَّرِّ كُلِّهٖ عَاجِلِهٖ وَ اٰجِلِهٖ مَا عَلِمْتُ مِنْهُ وَ مَالَمْ اَعْلَمْ اَللّٰهُمَّ اِنِّي اَسْئَلُکَ مِنْ خَيْرِ مَا سَئَلَکَ مِنْهُ عَبْدُکَ وَ نَبِيُّکَ وَ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ شَرِّ مَا اسْتَعَاذَ مِنْهُ عَبْدُکَ وَ نَبِيُّکَ .اَللّٰهُمَّ اِنِّي اَسْئَلُکَ الْجَنَّةَ وَمَا قَرَّبَ اِلَيْهَا مِنْ قَوْلٍ وَ عَمَلٍ وَ اَعُوْذُ بِکَ مِنَ النَّارِ وَمَا قَرَّبَ اِلَيْهَا مِنْ قَوْلٍ وَ عَمَلٍ وَ اَسْئَلُکَ اَنْ تَجْعَلَ كُلَّ قَضَاءٍ تَقْضِيْهِ لِيْ خَيْرًا۔ (ابن ابی شیبہ وابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول ﷺ نے مجھے یہ جامع دعا تعلیم فرمائی (جس کی ابتداء یہاں سے ہوتی ہے اللھم انّی اسئلک من الخیر...... اس کا ترجمہ یہ ہے)

''اے اللہ! میں تجھ سے ہر قسم کی خیر اور بھلائی مانگتی ہوں، دنیا کی خیر بھی اور آخرت کی خیر بھی وہ خیر بھی مانگتی ہوں جس کو میں جانتی ہوں اور وہ بھی جس کو میں نہیں جانتی، اور تیری پناہ چاہتی ہوں ہر قسم کے شر اور برائی سے۔ دنیا کے بھی شر سے اور آخرت کے بھی شر سے۔ اس شر سے جس کو میں جانتی ہوں اور اس سے بھی جس کو میں نہیں جانتی۔ اے اللہ! تیرے خاص بندے اور پیارے نبی ﷺ نے جس خیر کا بھی تجھ سے سوال کیا میں (بھی) تجھ سے اسی کا سوال کرتی ہوں اور جس جس شر سے انہوں نے تیری پناہ چاہی اے اللہ! میں بھی اس شر سے تیری پناہ چاہتی ہوں۔ اے اللہ! میں تجھ سے جنّت مانگتی ہوں اور اس قول و عمل کی توفیق کی طلب گار ہوں جو مجھے جنّت سے قریب کر دے اور میں تجھ سے دوزخ سے پناہ چاہتی ہوں اور ہر اس قول و عمل سے بھی پناہ مانگتی ہوں جو دوزخ سے قریب کرنے والا ہو۔ اے اللہ! تجھ سے سوال کرتی ہوں کہ جو فیصلہ تُو میرے حق میں فرمائے وہ میرے لئے خیر اور

بھلائی کا باعث ہو"۔

ہم نے صفحہ احادیث میں امّ المومنین سیّدہ صدّیقہؓ کی مرویات میں سے ایک ایک روایت کا بیڑا اٹھایا اور چاہا کہ چالیس روایات کی تشریح پیش کر دیں تا کہ امّ المومنینؓ کی عظمت کا اندازہ ہو سکے کہ وہ کس طرح جامع العلوم ہیں کہ زندگی کے ہر شعبہ سے متعلق ان سے روایات مروی ہیں۔ ساتھ ہی ''چہل احادیث'' کے سلسلہ احادیث میں جس ثواب کا وعدہ ہے اللہ کے فضل سے اس کے مستحق بن سکیں اور اپنے گناہوں کی تلافی کر سکیں۔

آج کی پیش کردہ روایت میں ایک جامع دعا کا ذکر ہے اس پر چالیس احادیث پوری ہو گئیں (الحمد للہ علیٰ ذالک) اس کے بعد انشاءاللہ تعالیٰ کاتب الوحی خال المسلمین امیر المومنین سیّدنا امیر معاویہؓ کی مرویات میں سے چالیس روایات پیش کرنے کا عزم ہے (اللہ تعالیٰ توفیق دے ہمت دے)

جہاں تک اس روایت کا تعلق ہے اس کے الفاظ اور معانی آپ کے سامنے ہیں۔ جامعیت کی ایک مکمل شان اس میں موجود ہے دعا کے یہ وہ کلمات ہیں جو دنیا کے سب سے بڑے ''بندے'' اور خالقِ کائنات کی تخلیق کے شاہکار محمد عربی ﷺ نے اپنی محبوب ترین اہلیہ کو تعلیم فرمائے۔ ظاہر ہے کہ ارشاد نبوی ﷺ کے مطابق دعا عبادت کا مغز ہے اور سچ یہ ہے کہ دعا قلب ونظر کی تسکین کا باعث ہے زخمی دلوں کی مرہم پٹی کا اس میں سامان ہے۔ قرآن کریم میں اللہ نے ان لوگوں کی مذمت کی جو عبادت و دعا سے تکبر واعراض کرتے ہیں۔ اور ایک جگہ وعدہ فرمایا کہ جو مانگو گے دوں گا۔

دعا پورے اہتمام اور خشوع خضوع سے کی جائے اور اس تصور کے ساتھ کی جائے کہ میرا رب سن رہا ہے۔ میرے حالات سے واقف ہے میری ضروریات سے آگاہ ہے وہی مشکل کشا' داتا اور حاجت روا ہے۔ تو اس کی رحمت اپنے مظلوم بندوں کا سہارا بنتی ہے۔ اللہ کے نبی بایں جاہ ومرتبہ جو اللہ نے انہیں عطا فرمایا تھا۔ خالقِ کائنات سے جب مانگتے تو رو رو کر حالت غیر ہو جاتی داڑھی مبارک آنسوؤں سے تر ہو جاتی۔ جب کوئی اجتماعی پریشانی سامنے آتی جنگ کی شکل میں یا زمینی وآسمانی گرفت کی شکل میں تو سرکار ﷺ آستانہ قدس پر جھک جاتے اور ہم کو یہی تعلیم ہے کہ جو مانگنا ہے اسی سے مانگو'

جوتے کا تسمہ ٹوٹ جائے تو بھی اس سے فریاد کرو۔ قرآنی دعائیں اور پھر وہ دعائیں جو احادیث میں منقول ہیں ان سے بڑھ کر دعا کے لئے کوئی الفاظ نہیں اور یہ دعا جو اس روایت میں ہے۔ سبحان اللہ۔ صاحب جامع الکلم علیہ السلام نے دریا کوزہ میں بند کر دیا۔ اللہ تعالیٰ اپنی ذات سے مانگنے اور صحیح طریقہ سے مانگنے کی توفیق دے۔ حدیث کے مطابق حرام کھانے پینے والوں کی دعائیں قبول نہیں ہوتیں! اللہ تعالیٰ اس سے بچائے اور محروم نہ فرمائے۔ مرد اور خواتین یکساں کسی تبدیلی کے بغیر اس دعا کو پڑھ سکتے ہیں۔ یاد کرلیں اور ہر نماز کے بعد اس طرح دعا مانگیں۔۔۔۔۔ اللہ تعالیٰ ہم پر رحم فرمائے۔

طاعون :

(۳۷) عَنْ عَائِشَةِ رَضِیَ اللّٰہُ تَعالی عَنها سَأَلْتُ رَسُولَ اللّٰہِ ﷺ عَنِ الطَّاعُوْنِ فَاَخْبَرَ هَا اَنَّه' کَانَ عَذَا باً یَبْعَثُهُ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلٰی مَنِ یَّشَاءُ فَجَعَلَهُ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلٰی مَنْ تَّشَاءُ فَجَعَلَهُ اللّٰهُ تعالٰی رَحْمَةً لِلْمُومِنِینَ فَلَیسَ مِنْ عَبْدٍ یَّقَعَ فِي الطَّاعُوْنِ فَیَمْکُثُ فِي بَلَدِهٖ صَابِرًا مُحتَسِبًا یَعْلَمُو اَنَّه' لَایُصِیبُه' اِلا مَا کَتَبَ اللّٰهُ لَهُ اِلا کَانَ لَهُ مِثْلُ اَجْرِ الشَّهِیدِ۔

(بخاری)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے طاعون کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ وہ عذاب ہے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے بھیجتا ہے۔ (البتہ) اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنے بندوں کے حق میں رحمت بنا دیا۔ جب کسی بندے پر طاعون واقع ہو۔ اور وہ اپنے شہر میں اجر طلب کرتے ہوئے ٹھہرا رہے۔ اور یہ سمجھ لے کہ اس کو کوئی مصیبت نہ پہنچے گی۔ مگر جو اللہ نے اس کے لئے لکھ دی۔ تو اس کو شہادت کا درجہ ملے گا۔

اس حدیث میں چند باتیں غور طلب ہیں۔

۱۔ طاعون کو اللہ کے نبی ﷺ نے عذاب سے تعبیر فرمایا۔ اور یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسا کہ دوسرے ارشادات میں زلزلہ، خسف و مسخ، آندھی و طوفان وغیرہ کو آپ نے عذاب سے تعبیر فرمایا اس قسم کے ناگہانی حوادث واقعی اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور زجر و توبیخ ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ ان سے مقصد جہاں اہل کفر و نفاق اور اہل زیغ و ضلالت کی شرارت کا قلع قمع ہوتا ہے وہاں اہل ایمان کے درجات کی

بلندی بھی پیش نظر ہوتی ہے۔ جیسا کہ حدیث میں واضح طور پر ذکر ہے،، کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو مومنوں کے حق میں رحمت بنا دیا''۔

۲۔ طاعون کو مومنوں کے حق میں رحمت بنانے کی تائید ان الفاظ سے بھی ہوتی ہے۔ جن کا حدیث کے آخر میں ذکر ہے۔،، الا کان لہ مثل اجر الشھید،، اور اس کی تائید میں حضور اکرم ﷺ کے دوسرے متعدد ارشادات میں موجود ہیں۔ نمونہ کے طور پر ایک ارشاد کا ترجمہ پیش خدمت ہے جس کو امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے اپنی اپنی صحیح میں نقل کیا اور جس کے راوی حضرت ابو ہریرہؓ ہیں۔ ارشاد ہے کہ،، شہدا پانچ ہیں ایک طاعون سے مرنے والا۔ دوسرا پیٹ کی بیماری سے مرنے والا۔ تیسرا ڈوب کر مرنے والا چوتھا دیوار یا چھت کے نیچے آکر مرنے والا اور پانچواں راہِ خدا میں قتل ہونے والا''۔

شہادت کا اعلیٰ درجہ تو یقیناً اللہ کی راہ میں قربانی ہے۔ لیکن باقی اسباب موت جن کا احادیث میں ذکر ہے۔ وہ بھی ارشاد پیغمبر کے پیش نظر ایک طرح کی شہادت ہی ہے اور حضرت عائشہؓ والی روایت بھی اسی پر دلالت کرتی ہے۔

۳۔ اس سلسلہ میں ایک بات واضح رہنی چاہیے۔ کہ جس جگہ کوئی آفت آجائے وہاں کے مقیم باشندوں پر لازم ہے۔ کہ وہیں رہیں بھاگ کر نہ جائیں کہ یہ تقدیر الٰہی سے فرار ہے۔ البتہ باہر کے لوگوں کو وہاں جانے سے احتیاط برتنی چاہیے۔ اس حدیث میں بھی اس طرف واضح اشارہ ہے۔ جیسا کہ فرمایا کہ ''جو اس شہر میں ٹھہرا رہا الخ'' اور حضرت فاروق اعظمؓ کی سیرت طیبہ کا واقعہ بہت مشہور ہے کہ جب آپ نے بلاد شام کا سفر کیا تو وہاں طاعون کی اطلاع ملی۔ تحقیق کے بعد عبدالرحمان بن عوفؓ نے نبی ﷺ کے ایک ارشاد کی طرف توجہ دلائی۔ جس کا خلاصہ یہی تھا۔ کہ وہاں کے مقیم لوگ نکل کر نہ جائیں اور باہر والے وہاں جانے سے احتراز برتیں اس لیے کہ وہاں سے نکل کر جانا تقدیر سے فرار ہے اور باہر سے وہاں جانا خلاف احتیاط ہے جب کہ احتیاط بھی اللہ ہی کا حکم ہے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ وہاں تشریف نہ لے گئے اور وہاں مقیم حضرات میں سے لاتعداد لوگ جن میں اکثریت صحابہ کی تھی۔ (نکل کر باہر نہ آئے)

عبادت و بندگی :

(۳۸) عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰہ تعالیٰ عنہا اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ کَانَ یَقُوْمُ مِنَ اللَّیْلِ حَتیٰ

تَتَفطَّرَ قَدَ مَاهُ فَقُلْتُ لَهُ لِمَ تَصْنَعُ هٰذَا يَارَسُولَ اللّٰهِ وَ غَفَرَاللّٰهُ لَکَ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ وَ مَا تَاَخَّرَ؟ قَالَ اَفَلَا اُحِبُّ اَنْ اَكُونَ عَبْدًا شَكُورًا. (بخاری ومسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ رات کو کھڑے ہوتے تھے یہاں تک کہ آپ کے قدم مبارک سوج جاتے تھے۔ میں نے عرض کیا آپ یہ کیوں کرتے ہیں؟ اللہ نے تو آپ کے اگلے پچھلے گناہ معاف کردیے ہیں آپ نے فرمایا کیا میں اس بات کو پسند نہ کروں۔ کہ اللہ تعالیٰ کا بہت زیادہ شکر گزار بندہ بن جاؤں۔

حضور نبی کریم ﷺ کے سمیت تمام انبیاء کرام علیہم السلام گناہوں اور اللہ کی نافرمانیوں سے معصوم ہوتے ہیں یہ عقیدہ قرآن وحدیث کا بتلایا ہوا ہے۔ اور ساری امت اس پر متفق ہے۔ پھر حضورؐ کے اگلے پچھلے گناہوں کی معافی کا کیا مطلب؟ مولانا شبیر احمد عثمانی مرحوم نے قرآن کریم کے حاشیہ میں اس کا مختصر اور جامع طریق سے ذکر کیا۔ فرماتے ہیں،، ہمیشہ سے ہمیشہ تک کی سب کوتاہیاں جو آپ کے مرتبہ رفیع کے اعتبار سے کوتاہی سمجھی جائیں بالکلیہ معاف ہیں،، ص ۶۶۳ مطبوعہ بجنور مولانا عثمانی نے یہ ارشاد سورہ فتح کے حاشیہ میں لکھا ہے۔ جہاں بیعت رضوان کے موقع پر فتح مبین کا ذکر ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی آخرالزمان ﷺ کے اگلے پچھلے گناہ معاف کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس کی بہترین توجیہ مولانا عثمانی نے فرمائی اور اس کے ساتھ ہی یہ لکھا کہ اس ارشاد گرامی کے بعد آپ کے دل میں اللہ کا خوف اور بڑھ گیا۔ اور آپ نے طاعت وبندگی میں پہلے سے زیادہ سرگرمی کا مظاہرہ شروع فرمادیا۔ جس پر حضرت عائشہؓ کے علاوہ اور حضرات صحابہ کرام علیہم الرضوان نے بھی آپ سے سوال کیا تو آپ نے یہ جواب دیا جس کا اس حدیث میں ذکر ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ جو اللہ کے جتنا قریب ہوتا ہے۔ وہ اتنا ہی طاعت وبندگی میں زیادہ منہمک ومصروف ہوجاتا ہے۔ اور مقصد اس سے یہ ہوتا ہے کہ مالک الملک نے جو کرم کیا اس پر اس کا شکر یہ ادا ہوسکے حضور علیہ السلام کے متعلق حضرت عائشہؓ کی ایک اور روایت بھی ہے جس میں آپ فرماتی ہیں کہ،، رمضان کے آخری عشرہ میں تو آپ رات بھر جاگتے اور گھر والوں کو بھی جگاتے۔ اور عبادت میں بہت کوشش فرماتے اور کمر ہمت باندھ لیتے''۔

(بخاری ومسلم)

عبادت وبندگی میں اتنی جدوجہد کے باوجود عاجزی وانکساری کا یہ عالم تھا کہ بارگاہ ربوبیت

میں عرض کرتے ہیں کہ :

''میں تیری عبادت کا حق ادا نہیں کر سکا اور میں تجھے حقیقی معنوں میں پہچان نہیں سکا''۔

حضور علیہ الصلوۃ والتسلیم کے ارشادات سے جو سبق ملتا ہے وہ یہ ہے کہ ہم مسلمان اپنی زندگی کا ایک ایک لحہ اللہ رب العزت کی عبادت و بندگی میں صرف کریں اور اس کے احکامات کے مطابق زندگی گزاریں۔ اس لئے کہ انسان کی تخلیق کا بنیادی مقصد یہی ہے۔

بدعت :

(۳۹) اَنَّ عَائِشَةَ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنها قَالَتْ قَالَ رَسُولَ اللّٰہِ ﷺ مَنْ اَحدَثَ فِيْ اَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌ''. (بخاری ومسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں۔ کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ جس نے ہمارے کام (دین) میں کوئی نئی بات پیدا کی جو اس میں نہیں ہے تو وہ مردود ہے۔

دین اسلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنی وحی کے ذریعے مکمل و کامل فرمادیا۔ جیسا کہ سورہ مائدہ میں ارشاد ہے۔ اور تمام تر دینی احکامات کو تبلیغ و وضاحت حضور ﷺ نے اپنے عمل وقول سے ارشاد فرمادی اللہ کا یہ آخری دین اتنا جامع ہے۔ کہ اس میں حضور اکرم ﷺ نے بول و براز تک کے مسائل ذکر فرمادیے۔ کہ قضائے حاجت کے وقت نہ تو قبلہ رو ہو کے بیٹھیں نہ اس طرف پیٹھ کریں اور پاؤں سے ننگے نہ ہوں۔ جاتی دفعہ بیت الخلاء میں بایاں پاؤں اندر رکھیں اور شیاطین سے پناہ مانگیں اور واپس ہوتے ہوئے دایاں پاؤں پہلے باہر نکالیں اور جتنی دیر اس مقام نجس میں رہنے کے سبب ذکر الٰہی نہ کرسکیں اس کی خدا سے معافی مانگیں اور اس پر شکر ادا کریں کہ اس تکلیف دہ چیز سے اللہ تعالیٰ نے نجات عطا فرمائی۔ کسی یہودی نے حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو طنزاً کہا کہ یہی تمہارا دین ہے اور یہی تمہارا نبی ہے؟ جو بول و براز تک کے متعلق باتیں کرتا ہے۔ تو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے پلٹ کر جواب دیا کہ ہمارے دین کی کاملیت و جامعیت کی یہی تو دلیل ہے کہ اس میں زندگی کے ہر انفرادی اور اجتماعی مسئلہ کا مکمل حل موجود ہے۔ اور ہر طرح کی رہنمائی اس دین کی وجہ سے ملتی ہے اس کامل و جامع دین سے منہ پھیر کر ایسی چیزوں کی ایجاد جن کا دین سے کوئی تعلق نہ ہو، بدعت کہلاتا ہے۔

اور اس حدیث میں انہی بدعات کو مردود فرمایا ہے۔ایک حدیث میں آپ نے بدعت کو ذلالت وگمراہی سے تعبیر فرمایا اور فرمایا کہ ضلالت وگمراہی جہنم کا ذریعہ ہوتی ہے۔بدعت کا مفہوم یہ ہے کہ دین اسلام میں اپنی طرف سے دین کے نام پر اضافہ کرنا تمدن ومعاشرت کے اعتبار سے جوایجادات وترقیاں نظر آتی ہیں ان کو بنیاد بنا کر بعض لوگ بدعات کے لئے راستہ ہموار کرتے ہیں۔حالانکہ یہ معاملات کو الجھانے والی بات ہے۔ظاہر ہے کہ دور نبوی ﷺ میں سواری کے لیے اونٹ اور گھوڑے کا استعمال ہوتا تھا۔لیکن آج ہوائی جہاز تک نوبت پہنچ چکی ہے تو ہوائی جہاز موٹر اور ریل گاڑی بنانا یا استعمال کرنا بدعت نہیں ہوگا۔بلکہ بدعت وہ امور شنیعہ ہوں گے جو روحِ اسلام کے بالکل منافی ہیں۔

ظلم وزیادتی :

(۴۰) عَنْ عَائِشَةَ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ مَنْ ظَلِمَ قِيْدَ شِبْرٍ مِّنَ الْاَ رْضِ طُوِّقَهٗ مِنْ سَبْعِ اَرْضِيْنَ. (بخاری ومسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے بالشت بھر زمین بھی ظلم وزیادتی کے ساتھ ہتھیالی تو قیامت میں اس کو سات زمینوں کا طوق پہنایا جائے گا۔

ظلم جتنا بدترین جرم ہے۔اس کے متعلق قرآن وحدیث کے دسیوں ارشادات موجود ہیں۔ سورۂ مؤمن میں اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا کہ ''قیامت کے دن ظالموں کو کوئی عذر نفع نہیں پہنچائے گا اور وہ لعنت اور برے گھر کے مستحق ہوں گے''۔ حضور علیہ السلام کا قول ہے کہ اَلظُّلْمُ ظُلُمَاتٌ يَّومَ الْقِيَامَةِ کہ ظلم قیامت کے دن تاریکیوں کی صورت میں ہوں گے۔ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ظالم کو ڈھیل دیتے ہیں۔پھر جب پکڑتے ہیں تو کوئی چھڑا نہیں سکتا۔(بخاری ومسلم)

ایک حدیث میں ظالموں کو مظلوموں کی بددعا سے بچنے کا ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اور مظلوم کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہوتا۔(بخاری ومسلم)

اس حدیث میں بالشت بھر زمین ظلم وزیادتی کے ذریعہ ہتھیانے والوں کے لیے یہ وعید ارشاد فرمائی گئی کہ اسے سات زمینوں کا طوق پہنایا جائے گا۔گویا ذرا سی زمین ہتھیا کر اتنا بڑا خمیازہ بھگتنا پڑیگا

کہ سات زمینوں کا طوق گلے کا ہار بن جائے گا۔

ظالم انسان زمین کی ساتویں تہہ کا ایک حصہ ہتھیا تا ہے لیکن وہ اتنی بڑی مصیبت کا شکار ہوجاتا ہے اور اگر کوئی یہ سوچے گا بارگاہ ربوبیت میں وہ کسی سفارش وغیرہ کے ذریعہ جان کی خلاصی کرالے گا۔ تو اس کے لئے اللہ کا ارشاد ہے۔ وَ مَا لِلظّٰلِمِینَ مِنْ حَمِیمٍ وَ لَا شَفِیعٍ یُّطَاعُ کہ ظالموں کا نہ کوئی دوست ہوگا اور نہ کوئی شفیع وسفارش کنندہ۔

ظالم کا مفہوم مختصر لفظوں میں کسی بھی نوع کی اللہ کی نافرمانی ہے۔ قرآن عزیز نے شرک کو ظلم عظیم کہا ہے۔ (سورہ لقمٰن)

اور سورۂ انعام میں بھی شرک کے لیے "ظلم" کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ اَلَّذِینَ اٰمَنُو وَ لَمْ یَلْبِسُو اِیْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ" گویا شرک جو سب سے بڑا اور نا قابل معافی ومغفرت جرم ہے وہ بھی ظلم ہے اور چھوٹے درجہ کی نافرمانی وگناہ بھی ظلم! اب جیسا ظلم ہوگا اسی انداز کی سزا ملے گی۔

جناب نبی کریم علیہ السلام کی شریعت مقدسہ میں ہر نوع کے ظلم وزیادتی سے روکا گیا ہے۔ چاہے وہ عقائد سے متعلق ہو یا اعمال سے، اقتصاد اور چاہے اس کا تعلق تہذیب سے ہو یا تمدن سے، اقتصاد اس سے متاثر ہوتا ہے یا معاش۔ ظلم بہرحال ظلم ہے اور ظالموں کے لئے کوئی ٹھکانہ نہیں۔

آخرت میں تو ظالموں کا جو حشر ہوگا سو ہوگا دنیا میں بھی ظالم اللہ تعالیٰ کی گرفت کا شکار ہوجاتے ہیں۔ مثلاً سورۂ ہود میں اللہ رب العزت نے چند انبیاء علیہم السلام اور ان کی نافرمان قوموں کا ذکر کیا، ان پر آنے والے عذاب کا ذکر کیا۔ اور آخر میں بطور نتیجہ فرمایا کہ ان بستیوں میں بسنے والوں کی پکڑ کا سبب یہ تھا کہ وہ ظالم تھے۔

اسی طرح سورۂ عنکبوت کے چوتھے رکوع میں چند راندۂ درگاہ اور مردود ومعذّب قوموں کا ذکر کر کے فرمایا۔ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ۔

کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں مختلف طریقوں سے ہلاک کر کے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ انہوں نے خود اپنے آپ پر ظلم کیا۔ اور ظلم کا نتیجہ ہلاکت وبربادی کی صورت میں سامنے آیا۔ آج ہمارے معاشرہ میں ظلم وزیادتی کی جو گرم بازاری ہے اس کو دیکھ کر سخت ڈر لگتا ہے کہ انجام کیا ہوگا؟ اللہ تعالیٰ ہمیں ہر قسم کے ظلم سے بچائے۔ آمین!

یتیم کی کفالت:

(۴۱) عَنْ عَائِشَةَ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہا قَالَتْ دَخَلَتْ عَلَیَّ اِمْرَأَۃٌ وَّمَعَهَا ابْنَتَانِ لَهَا تَسْأَلُ فَلَمْ تَجِدْ عِنْدِیْ شَیْئًا غَیْرَ تَمْرَۃٍ وَاحِدَۃٍ فَاَعْطَیْتُهَا اِیَّاهَا فَقَسَمَتْهَا بَیْنَ ابْنَتَیْهَا وَلَمْ تَاْکُلْ مِنْهَا ثُمَّ قَامَتْ فَخَرَجَتْ فَدَخَلَ النَّبِیُّ ﷺ عَلَیْنَا فَاَخْبَرْتُهٗ فَقَالَ مَنِ ابْتُلِیَ مِنْ هٰذِهِ الْبَنَاتِ بِشَیْءٍ فَاَحْسَنَ اِلَیْهِنَّ کُنَّ لَهٗ سِتْرًا مِّنَ النَّارِ۔ (بخاری ومسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میرے پاس ایک عورت آئی اور اس کے ساتھ دو لڑکیاں تھیں جو سوال کر رہی تھی۔ میرے پاس ایک کھجور کے سوا اور کوئی چیز نہیں نکلی۔ تو میں نے وہ کھجور اس عورت کو دے دی۔ چنانچہ اس نے کھجور کو اپنی دونوں لڑکیوں کے درمیان تقسیم کر دیا۔ اور خود اس سے کچھ نہیں کھایا، پھر کھڑی ہوئی اور چلی گئی۔ پھر آنحضرت ﷺ تشریف لائے میں نے آپ کو اس بات کی اطلاع دی تو آپ ﷺ نے فرمایا جو کوئی ان لڑکیوں کے بارے میں آزمائش میں مبتلا ہو جائے پھر ان کے ساتھ حسن سلوک کرے تو یہ لڑکیاں اس کے لیے نارِ جہنم سے آڑ اور پردہ ہو جائیں گی۔

یتیم وہ کہلاتا ہے جس کے سر سے سایۂ پدری اُٹھ جائے اس قسم کے بچوں اور بچیوں کے ساتھ حسن سلوک کی تعلیم احادیث میں بکثرت موجود ہے۔ یوں تو ہر انسان دوسرے انسان کے حسن سلوک کا مستحق ہے اور یہی اسلامی تعلیم ہے۔ لیکن چونکہ یتامیٰ کا طبقہ دکھی ہوتا ہے اور رنجیدہ خاطر ہوتا ہے۔ باپ کی عدم موجودگی کا انہیں شدت سے احساس ہوتا ہے۔ اس لیے دوسرے طبقات کے مقابلہ میں ان سے حسن سلوک کی زیادہ تلقین کی گئی ہے۔

قرآن کریم کی سورۂ نساء کے پہلے رکوع میں بھی اس سلسلہ میں خاصے احکامات موجود ہیں۔ وراثت کے مال کی تقسیم کے دوران جو رشتہ دار اور یتامیٰ ومساکین اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ ان کے متعلق فرمایا کہ ان کو جھڑکو ڈانٹو نہیں بلکہ خوش اسلوبی سے انہیں مطمئن کرو کہ یہ مال ورثا کا حق ہے۔ اس سے آگے فرمایا کہ لوگوں کو اس بات سے ڈرنا چاہیے کہ کہیں وہ بھی دنیا سے رخصت ہو جائیں اور ان کی اولاد اسی طرح ضعیف وکمزور رہ جائے۔ اور سورۂ ضحیٰ میں فرمایا کہ یتیم پر سختی مت کرو۔

حضور نبی کریم علیہ السلام کا ارشاد بخاری شریف میں ہے جسکے راوی حضرت سھل بن سعد

رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔اس میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ :

”میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں ایسے ہوں گے اور آپ ﷺ نے درمیانی انگلی اور ساتھ والی انگلی کو ملا کر اشارہ کیا۔ (کہ جس طرح یہ انگلیاں آپس میں ملی ہوئی ہیں اسی طرح میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں ہوں گے)۔

حضور علیہ السلام والتسلیم نے عام طور پر اس قسم کے ستم رسیدہ اور دکھی طبقات کے ساتھ نرمی و مروت، حسن سلوک اور تعاون کی توجہ دلائی ،اس سے آگے بڑھ کر آپ نے اس قسم کے افراد کی فضیلت بھی بیان فرمائی۔اور اس قسم کے طبقات کے جنت میں اغنیاء کے مقابلہ میں پہلے داخل ہونے کی نوید سنائی۔

سیرتِ نبوی ﷺ کا ایک مشہور واقعہ ہے کہ آپ ﷺ نے عید کی نماز لیٹ کر دی کیونکہ جب آپ ﷺ گھر سے نکل کر عید گاہ کی طرف تشریف لے جانے لگے تو ایک یتیم پر نظر پڑی جو رو رہا ہے اور پھر آپ ﷺ اسے اٹھا کر گھر لے گئے۔حضرت عائشہ ؓ سے کہا کہ اسے نہلایا دھلایا اور فوری طور پر جو بہتر سے بہتر لباس دستیاب ہوسکا اسے پہنا کر اپنے ساتھ عید گاہ میں تشریف لے گئے۔

الغرض یہ ایک اہم معاشرتی مسئلہ ہے اور اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ہی اس کو مناسب اور بہتر طریقہ سے حل کیا جاسکتا ہے۔آج انسانی معاشرہ میں نخوت وغرور خودغرضی جیسے امراض عام پیدا ہوچکے ہیں۔چھوٹے پر شفقت اور بڑوں کا احترام معاشرہ سے رخصت ہے اور انسانی واخلاقی اقدار ختم ہوکر رہ گئیں جس کا نتیجہ واضح ہے کہ دنیا جہنم کدہ بن کر رہ گئی ہے۔اگر ایثار وقربانی اور خلوص ورواداری کا وہ طریقہ اپنایا جائے جس کا احادیث وقرآن میں ذکر ہے تو معاملات خوش اسلوبی سے طے ہوسکتے ہیں اور معاشرہ جنتی معاشرہ بن سکتا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مرویات سیدنا امیر معاویہ

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

فہم دین :

(۱) حدثنی حمید بن عبدالرحمٰن بن عوف قَالَ سَمِعْتُ مُعَاوِيَةَ بْنَ اَبِیْ سُفْيَانَ وَ هُوَ خَطِيْبٌ'' يَقُوْلُ اِنِّیْ سَمِعْتُ رسولَ اللہ صلّی اللہ تعالیٰ علیه و آله و اصحابه وسلّم يَقُوْلُ مَنْ يُرِدِ اللہُ بِهٖ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِی الدِّيْنِ وَ اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ'' وَّاللہُ يُعْطِی۔

(مسلم ص ۳۳۳ ج ؟)

ترجمہ: حمید بن عبدالرحمٰن بن عوفؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت معاویہؓ بن ابی سفیانؓ سے خطبہ کے دوران سنا آپؓ فرماتے تھے کہ رسول ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جس شخص کے معاملہ میں بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں اسے دین کا فہم اور سمجھ عطا فرماتے ہیں اور بے شک میں قاسم ہوں اور دینے والی اللہ کی ذات ہے۔ حدیث کی مرکزی کتاب ''مسلم'' کی یہ روایت اور اس کا ترجمہ آپ نے ملاحظہ فرمایا۔ اس میں دو باتیں ذکر فرمائی گئی ہیں ایک تو یہ کہ اللہ تعالیٰ جس کے معاملہ میں بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں اسے دین کا فہم عطا فرمادیتے ہیں۔ اور دوسرا یہ کہ حضور ﷺ نے اپنی ذات کے متعلق فرمایا کہ میں قاسم ہوں اور معطی اللہ کی ذات ہے۔ جہاں تک پہلی بات کا تعلق ہے یعنی ''دین کا فہم اور اس کی سمجھ'' تو بات بالکل واضح ہے کہ اللہ کا دین جس کی تکمیل سرورِ کائنات ﷺ پر کی گئی اس سے بڑھ کر اس کرۂ ارضی پر اللہ کی کوئی نعمت نہیں یہی دین ہے جو انسانیت کے لئے مدارِ نجات ہے اور اس کے بغیر کوئی ضابطہ اگرچہ وہ آسمانی کیوں نہ ہو اب ناقابل قبول ہے اور مدارِ نجات نہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ اس دین سے پہلے کے

سب ضابطے تحریف وتبدیلی کا شکار ہو گئے اور کوئی بھی اپنی اصلی شکل میں نہ رہا۔ یہ دین ایسا ہے جو اپنے نزول کے وقت سے لے کر اب تک بعینہٖ محفوظ ہے اور صبحِ قیامت تک محفوظ رہے گا۔ اس دین کی سمجھ اور فہم جسے نصیب ہو جائے اس سے زیادہ قسمت کا دھنی اور کون ہو سکتا ہے؟ جناب رسول ﷺ کے فرائض نبوت میں حکمت ودانائی (دین کی سمجھ اور فہم) کی تعلیم شامل ہے۔ اور قرآن عزیز نے ایک جگہ یوں فرمایا کہ جسے حکمت (سمجھ) عطا فرمائی گئی اسے ''خیرِ کثیر'' نصیب ہو گیا۔ مطلق سمجھ ودانائی اور زیرکی وفہم و فراست اللہ کا بڑا عطیہ ہے۔ اور اس صفت سے موصوف افراد معاشرے میں عزت واحترام سے دیکھے جاتے ہیں چہ جائیکہ دین کی سمجھ ''دین'' جتنا خود عظیم ہے اور جتنا بڑا سرمایہ ہے اس کی سمجھ بھی اسی طرح اللہ کا خصوصی عطیہ اور دَین ہے اس لئے حضور علیہ السلام نے یہ بات فرمائی اور واقعہ یہ ہے کہ اس میں بڑا ہی سبق ہے کہ امت کے جو افراد خدا سے دنیا کے ٹھیکرے مانگتے ہیں وہ اس ذات عالی سے دین کا شعور اور فہم مانگیں دنیا تو بہت معمولی چیز ہے اس ذات عالی نے جس کو دین اور اس کی سمجھ وشعور عطا فرما دیا اس کی دنیوی ضرورتوں کو بھی پورا کرے گا بلکہ وہ دنیا کی ضرورتیں ہر کسی کی پوری کرتا ہے وہ ذات تو بقول شیخ سعدیؒ ....

دوستاں را کجا کنی محروم　　　تو کہ با دشمناں نظر داری

کی شان رکھتی ہے۔ اس لئے بندۂ مومن کو اس سے یہی عظیم نعمتیں مانگنی چاہئیں۔

آگے حضور ﷺ نے اسی حقیقت کبریٰ کی طرف لطیف اشارہ فرمایا کہ ''معطی'' (دینے والی ذات) اللہ ہے۔ سب خوبیاں اور کمالات اسی کو سزاوار ہیں۔ وہی سب کچھ دیتا ہے۔ اور میری مثال تو قاسم کی ہے میرا رب جو کچھ مجھے دیتا ہے میں اسے چھپا کر نہیں رکھتا اس کی تبلیغ واشاعت کرتا ہوں اللہ کا پیغام اس کے بندوں تک پہنچاتا ہوں۔ دینے اور بخشنے والی ذات اسی کریم آقا اور سخی داتا کی ہے صاحب جوامع الکلم ﷺ کی کس قدر مقدس تعلیم ہے کہ چھوٹے چھوٹے جملوں میں آپ ﷺ قلب ونظر کی اصلاح فرماتے جاتے ہیں------ آپ ﷺ کی ایک دعا ہے۔

اے اللہ! جسے تُو دے اس سے کوئی روک نہیں سکتا اور جس سے تو روک لے اسے کوئی دے نہیں سکتا۔

اللہ رب العزت ہم کو اپنے آستانہ کا گدا وفقیر بنائے اور اپنے سوا کسی کے آستانہ پر جھکنے سے بچائے اور جب ہم اس سے مانگیں تو وہ چیز جس میں ہماری دنیا کا بھی بھلا ہو اور عقبیٰ کا بھی------!

قیامت کے دن موذّن کا اکرام :

(۲) حدثنا محمد بن بشار و اسحاق بن منصور قالا حدثنا ابو عامر قال حدثنا سفیان عن طلحة بن یحییٰ عن عیسٰی بن طلحة رحمهم الله تعالیٰ قال سمعت معاویة بن ابی سفیان رضی الله تعالیٰ عنهما قال قال رسول الله صلّی الله تعالیٰ علیه و اٰله واصحابه وسلّم اَلْمُؤَذِّنُوْنَ اَطْوَلُ النَّاسِ اَعْنَاقًا یَوْمَ الْقِیَامَةِ ۔

(ابن ماجہ ص ۵۳ ۔ السنن الکبریٰ ص ۴۳۲ ج ۱)

ترجمہ: حضرت عیسیٰ بن طلحہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت معاویہ بن ابی سفیان علیہما الرضوان سے سنا آپ فرماتے تھے کہ جناب سرور کائنات ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن تمام لوگوں سے موذّنوں کی گردنیں بلند ہوں گی ۔ ہجرت مدینہ کے بعد مسلمانوں کو نماز کے لئے اکٹھا کرنے کی غرض سے جب مشاورت ہوئی تو حضرت عمر فاروق اعظمؓ اور بعض دوسرے حضرات نے اپنے خواب ذکر فرمائے جن میں مروّجہ طریق سے انہیں اذان کے کلمات سکھلائے گئے تھے ۔ ان کلمات میں اللہ اکبر ابتدا میں چار مرتبہ، پھر شہادتیں، پھر حی علی الصلاۃ اور حی الفلاح، دو دو مرتبہ اور آخر میں اللہ اکبر دو مرتبہ اور لا الٰہ الّا اللہ شامل تھے چنانچہ جناب سرورِ کائنات ﷺ نے حضرت ابن امِ مکتوم اور حضرت بلالؓ کو کلمات سکھلانے کی تلقین فرمائی اور اس وقت سے نماز کے لئے یہ سلسلہ جاری ہو گیا ۔ حضور علیہ السلام کے مقرر کردہ صحابہ کرام اپنے اوقات پر اذان دیتے اور لوگ اذان کی آواز سنتے ہی مسجد میں اللہ کے حضور حاضر ہو جاتے ۔ جو لوگ اذان کہنے کا فرض سرانجام دیتے انہیں ''موذّن'' کہا جاتا ہے موذّنوں اس کی جمع ہے حدیث مندرجہ میں انہیں حضرات کی عنداللہ قدر و منزلت کا اظہار ہے کہ قیامت میں سب لوگوں سے زیادہ ان کی گردنیں بلند ہوں گی نماز تمام عبادات میں سے اہم ترین عبادت ہے ۔ جس کے متعلق قرآن نے جا بجا تاکید فرمائی اور حضور علیہ السلام نے بھی متعدد مواقع پر تلقین و تاکید کی ۔ نماز کی جماعت سے ادائیگی کا جتنا اہتمام ہے اس کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے ان کے گھر جلا دینے کا ارادہ فرمایا جو جماعت کی حاضری نہیں دیتے ۔ اگر گھر میں مستورات اور بچے نہ ہوتے جن پر مسجد کی حاضری لازم نہیں تو اللہ کے نبی ایسا کر گزرتے نیز آپ ﷺ نے دنیا سے رخصت ہوتے

کے ایام میں مسلمانوں کی باجماعت نماز کا سب سے زیادہ فکر فرمایا اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کو امامت صلاۃ کا حکم دیا اور بعد میں صحابہ علیہم الرضوان نے اسی بنیاد پر آپ کو جانشین رسول تسلیم کیا کہ جس شخص پر اللہ کے رسول ﷺ نے ہمارے دین کے معاملہ میں اعتماد کیا ہے اپنے دنیا کے معاملہ میں ہم اس پر اعتماد کرتے ہیں۔ جماعت کے التزام واہتمام کے لئے اذان جتنی ضروری اور ناگزیر ہے اس پر کسی تبصرہ کی ضرورت نہیں۔ اس طرح لوگ یکبارگی اکٹھے ہو جاتے ہیں (مل کر حضورِ باری تعالیٰ میں سجدہ کی توفیق نصیب ہو جاتی ہے۔ جو شخص یہ فرض سرانجام دیتا ہے وہ ایک طرح متعلقہ آبادی کا محسن ہے۔ کیونکہ آبادی کا ہر فرد کسی نہ کسی کام میں مشغول ہوتا ہے وہ بندۂ خدا کچھ وقت پہلے کمالِ اہتمام سے مسجد میں حاضر ہو کر سب کو صلاۃ وفلاح کی دعوت دیتا ہے' اور اللہ کی رحمت وکبریائی کا اعلان کرتا ہے۔ خود سوچیں کہ یہ کام خاصا محنت کا بھی ہے اور سعادت کا بھی۔ اس محنت وسعادت کا دنیا میں جو اجر ملتا ہے وہ تو ملتا ہی ہے قیامت میں اس کی گردن بلند ہوگی۔ و اللہ اعلم بالصواب۔

ذہن میں یوں آتا ہے کہ خالقِ کائنات کی کبریائی کا روزانہ پانچ وقت بلند جگہ پر کھڑے ہو کر اظہار کا اس ارحم الراحمین کی طرف سے یہ صلہ ملے گا کہ گردن بلند ہوگی اور لوگ پہچان لیں گے۔

کتنے خوش نصیب ہیں موذن حضرات۔ اللہ تعالیٰ ان کے اکرام کی توفیق دے اور اس سعادت سے بہرہ ور فرمائے۔ آمین!

امّتِ مسلمہ کی خیریت :

(۳) قَالَ حمید بن عبدالرحمٰن سَمِعْتُ مُعَاوِيَةَؓ خَطِيْبًا يَقُوْلُ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صلّی اللّٰہ تعالیٰ علیه و اصحابه وسلم يَقُوْلُ مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُّفَقِّهْهُ' فِي الدِّيْنِ وَ اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ'' وَّاللّٰهُ يُعْطِيْ وَلَنْ تَزَالَ هٰذِهِ الْاُمَّةُ قَائِمَةً'' عَلٰى اَمْرِ اللّٰهِ لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَالَفَهُمْ حَتّٰى يَاْتِيَ اَمْرُ اللّٰهِ۔ (بخاری ص۱۶ ج۱)

ترجمہ: حضرت حمید بن عبدالرحمٰن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت امیر معاویہؓ سے خطبہ کی حالت میں سنا کہ آپ فرماتے تھے کہ جناب نبی کریم ﷺ سے میں نے سنا آپ ﷺ ارشاد فرماتے تھے کہ جس شخص کے حق میں اللہ تعالیٰ بہتری وبھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں اسے دین کی سمجھ عطا فرماتے ہیں

اور فرمایا کہ میں قاسم ہوں معطی اللہ تعالیٰ ہیں۔ اور یہ امت ہمیشہ اللہ کے دین پر قائم رہے گی۔ جو لوگ اس کی مخالفت کریں گے وہ اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔ یہاں تک کہ ''اللہ کا امر'' آ جائے۔

اس روایت کے ابتدائی دو حصوں یعنی ''(فہم دین اور حضور ﷺ کا قاسم ہونا) من یرد اللہ به خیرا یفقه فی الدین'' اور ''انما انا قاسم و اللہ یعطی'' کے متعلق کسی قدر گزارشات اس سے پہلے پیش کی جا چکی ہیں۔ مندرجہ بالا حدیث کے آخری حصہ کے متعلق یہاں سرسری گزارشات پیش خدمت ہیں:

اس آخری حصہ حدیث میں امتِ مسلمہ کی خیریت، اس کے حق پر قائم رہنے اور مخالفین و حاسدین کے شر و فتن سے محفوظ رہنے کی خبر ہے۔ بعض روایات میں کچھ اس قسم کے الفاظ ہیں جن کا مفہوم ہے ''میری امت میں ایک طبقہ حق پر قائم رہے گا''۔

ہر نبی سمیت سرکار دو عالم علیہ السلام کی امت میں بھی باہمی اختلاف و افتراق کا سلسلہ موجود ہے جس کی خود آپ ﷺ نے خبر دی۔ پہلے تو آپ نے بنی اسرائیل کی تفرقہ بازی کا ذکر فرمایا اور پھر اس طرف توجہ دلائی کہ میری امت میں بھی ایسا ہوگا بلکہ ان سے کسی قدر بڑھ کر۔ ظاہر ہے کہ یہ تمام فرقے اور ان میں شامل لوگ دعوے کی حد تک یہی کہتے تھے اور کہتے ہیں کہ ہم آپ کی امت ہیں لیکن سرور کائنات علیہ السلام نے ان میں سے صرف ایک فرقہ و جماعت کو نجات یافتہ ہونے کی خبر دی اور فرمایا کہ باقی سب جہنم کا ایندھن بنیں گے۔ وہ ایک جماعت جو نجات پائے گی اس کی شناخت و پہچان کے لئے فرمایا:

ما انا علیه و اصحابی (میرے اور میرے صحابہؓ کی راہ پر چلنے والے لوگ ناجی ہوں گے) گویا جو جماعت صحیح قیامت تک حق سے وابستہ رہے گی اور اس کا اوڑھنا بچھونا حق اور دین اسلام ہوگا وہی طبقہ اور جماعت ہے جس کی مذکورہ بالا حدیث میں خبر دی گئی۔

اللہ کے نبی کا فرمان سو فی صد درست اور صحیح اور ہمارا ایمان ہے کہ اس جماعت کا تسلسل کبھی نہیں ٹوٹا۔ ہمیشہ اللہ کے ایسے بندے دنیا میں رہے جو اللہ کی راہ میں ایثار و قربانی کو اپنی زندگی کی معراج سمجھتے رہے اور ایسی جماعت آج بھی موجود ہے۔ یہی جماعت ہے جسے حدیث میں ''سواد اعظم'' کا نام دے کر اس کے اتباع کی تلقین کی گئی۔ کیونکہ ''سواد اعظم'' انسانی بھیڑ کا نام نہیں بلکہ اربابِ صدق و صفا کا

نام ہے چاہے وہ تعداد میں تھوڑے ہوں۔ اور قرآن سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ "تھوڑا ہونا" کوئی عیب نہیں، اور زیادہ ہونا حق کی دلیل نہیں۔ تاریخی نقطہ نظر سے اس جماعت کے تسلسل پر گفتگو ہمارا مقصد نہیں کہ اس سے بات بہت لمبی ہو جائے گی۔ تاہم یہ واقعہ ہے جیسا کہ عرض کیا کہ یہ تسلسل کبھی متاثر نہیں ہوا۔ رہ گئی یہ بات کہ مخالفین و حاسدین کی ریشہ دوانیاں اس جماعت کو نقصان نہیں پہنچا سکیں گی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ جماعت فنا نہیں ہوگی اس کا وجود ہستی سے مٹے گا نہیں لیکن جہاں تک تکالیف و مصائب کا تعلق ہے وہ ایک الگ بات ہے۔ اہل حق وصداقت پر تکالیف کا ہجوم کوئی انہونی بات نہیں۔ قرآن عزیز اس بات سے بھرا پڑا ہے اور سرور کائنات کے ارشادات بھی اَن گنت ہیں اور یہ تکالیف و مصائب "لیمحص الله الذین آمنوا" کے ضمن میں آتی ہیں یعنی اس سے اہل حق کو مزید نکھار اور جلا نصیب ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس گروہ مقدسہ کی رفاقت سے ہم کو نوازے۔

اذان کا جواب:

(۴) حدثنا عیسٰی بن طلحة انه سمع معاویة رضی الله تعالیٰ عنه یوما فقال بمثله الیٰ قوله و اشهد انّ محمد ارسول الله قال یحیی و حدثنی بعض اخواننا قال لما قال حی علی الصّلوة قال لا حول ولا قوة الّا بالله وَقَالَ هٰكذا سَمِعْنَا نَبِيَّكُمْ صلی الله تعالیٰ علیه و اصحابه وسلم يَقُولُ. (بخاری ص ۸٦ ج ۱)

ترجمہ: اذان کا جواب جناب نبی کریم ﷺ سے ثابت شدہ امر ہے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ جو کلمہ موذّن کہے سننے والا وہی کلمہ دہرائے۔ احادیث مبارکہ میں اس سلسلہ میں واضح اشارات موجود ہیں اور صحابہ کرام ؓ کی یہی سب سے بڑی خوبی تھی کہ وہ سرور کائنات علیہ السلام سے جو بات سنتے یا جو کام کرتے دیکھتے۔ اس کی تعمیل اور اس کی نقل لازمی وضروری سمجھتے۔ اور ان باتوں کو اپنے شاگردوں اور متعلقین کے سامنے اسی طرح دہراتے احادیث میں ایسے کئی واقعات ہیں کسی جگہ سرکار مسکرائے تو صحابیؓ روایت کرتے ہوئے اسی طرح مسکرائے اور پھر اس کو غایت درجہ مسرّت کے ساتھ بیان کیا۔ اسی طرح حضور علیہ السلام نے کوئی اور عمل کیا تو اسے بعینہ دہرا کر بتلایا اور فرمایا میرے آقا و مولیٰ نے یونہی کیا تھا۔

مندرجہ بالا روایت میں حضرت الامام الامیر سیدنا معاویہ ؓ نے "حی علی الصلوة" کے جواب میں

لا حول ولا قوۃ الا باللہ ''پڑھا اور فرمایا کہ ہم نے نبی کریم ﷺ سے یونہی سنا تھا۔ اذان میں ''اللہ اکبر'' شروع میں چار مرتبہ کہا جاتا ہے۔ اس کے جواب میں یہی کلمات کہنے چاہئیں اس کے بعد شہادتین ہیں۔ یعنی اشھد ان لا الٰہ الا اللہ اور اشھد انّ محمد رسول اللہ (دو دو مرتبہ) ان کے جواب میں یہی کلمات کہے جائیں اور جب سرکار دو عالم ﷺ کا اسم گرامی لیا جائے تو ساتھ ہی آپ ﷺ پر درود پاک پڑھا جائے۔ کیونکہ آپ ﷺ کا اسم گرامی سنا جائے یا لیا جائے اور آپ ﷺ پر درود پاک نہ پڑھا جائے تو یہ غایت درجہ احسان کی ناشناسی اور بخیلی ہے۔ سرکارِ دو عالم علیہ السلام نے ایسے شخص کو بخیل قرار دیا۔ نیز ارشاد فرمایا کہ مجھ پر ایک مرتبہ درود پڑھا جائے۔ تو اللہ تعالیٰ کی دس رحمتیں (کم از کم) اس انسان پر ہوتی ہیں۔ شہادتین کے بعد رَضِیْتُ بِاللّٰہِ رَبًّا وَ بِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَ بِمُحَمَّدٍ نَبِیًّا وَّ رَسُوْلاً بھی بعض روایات سے ثابت ہے اور جب موذّن یا مکبر حیّ علی الصلوۃ اور حیّ الفلاح کہے تو اس وقت لا حول ولا قوۃ الا باللہ پڑھا جائے۔ یہ کلمات بعینہٖ نہ دہرائے جائیں۔ ان کلمات کے ذریعہ موذن نماز و کامیابی کی دعوت دیتا اور بلاتا ہے۔ اور شیطان لعین رکاوٹ بنتا ہے۔ اس کے شر سے بچنے کے لئے لاحول ولاقوۃ بہترین ہتھیار ہے اس کے بعد پھر اللہ اکبر ہے اور لا الہ الّا اللہ ان کا جواب اسی شکل میں دے کر وہ دعا پڑھی جائے جو حدیث میں منقول ہے جب آدمی ایسا کرتا ہے تو سرکارِ دو عالم ﷺ فرماتے ہیں کہ وہ میری شفاعت کا مستحق ہو جاتا ہے۔ فقہاء کرام کی تصریح کے مطابق موذن لا الٰہ الّا اللہ کہے تو اتنا ہی جواب میں کہنا چاہیے۔ اس سے زائد نہیں' کیونکہ زائد جملہ بڑھانے سے سرکار کے منشاء کے خلاف ہوتا ہے۔ صبح کی اذان میں '' الصلوۃ خیر من النوم '' کا اضافہ ہے۔ اس کا جواب '' صَدَقْتَ وَ بَرَرْتَ وَ بِالْحَقِّ نَطَقْتَ '' کے الفاظ میں دینا چاہیے اور تکبیر واقامت کے جواب میں اقامھا اللہ وادامھا کہا جائے۔ سرکار ﷺ کے منشاء کے مطابق بغیر کسی کمی بیشی اور بغیر حک و اضافہ کے اس طرح اذان اور اس طرح کا جواب اَن گنت رحمتوں اور سعادتوں کا باعث ہے۔ اللہ تعالیٰ توفیق عمل عطا فرمائے۔ آمین!

رسول اکرم ﷺ کی طرف جھوٹ کی نسبت اور اس کا بُرا انجام :

(۵) حدثنا عبد اللہ حدثنی ابی حدثنا روح حدثنا شعبۃ عن ابی الفیض عن

معاویۃ بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہما عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ و اصحابہ وسلم قَالَ مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ۔ (مسند احمد ص ۱۵۵ جلد ۴)

ترجمہ: حضرت امیر معاویہ بن ابی سفیان ؓ فرماتے ہیں کہ رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص دیدہ دانستہ جھوٹ کی نسبت میری طرف کرے وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے"۔

"اصطلاح شرع" میں جس ذات اقدس کو "رسول و نبی" کہا جاتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا نمائندہ اور اس کا فرستادہ ہوتا ہے اللہ کی طرف سے لوگوں کی ہدایت کا پیغام لے کر آتا ہے اور اس کی منشا کے مطابق بندگانِ خدا کو صداقت و ہدایت کی راہ اپنانے کی تلقین کرتا ہے۔ اس نازک ترین ذمہ داری کے پیش نظر اللہ تعالیٰ اپنے اس "نمائندہ" کو "معصوم" بنا کر دنیا میں بھیجتا ہے اور اس کی اطاعت وفرمانبرداری کو ضروری قرار دیتا ہے۔ وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللهِ. (النساء) اور ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس لئے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے۔

جب صورت حال اتنی نازک ہو بلکہ "رسول" کی اطاعت خود اللہ کی اطاعت ہو جیسا کہ سورۃ نساء میں ہے تو پھر یہ بات بالکل صحیح اور درست کہلائے گی کہ ....

گفتہء او گفتہء اللہ بوَد   گر چہ از حلقوم عبد اللہ بوَد

قرآن عزیز نے و ما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحی (النجم) میں بھی اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ وہ ذات پاک جس کو نبی ورسول کہا جاتا ہے اس کی گفتگو اور کلام اپنی خواہشات کی بجائے "وحی الٰہی" کی پابند ہوتی ہے اور جب بھی بولتا ہے اللہ کی مرضی اور منشاء سے بولتا ہے۔ اس ذات کی حیثیت چونکہ اس قدر نازک ہے اس لئے اس کی طرف جو جھوٹ کی نسبت کرتا ہے وہ بہت بڑا مجرم اور اس سنگین سزا کا مستحق ہے جس کو بیان کیا گیا۔

حضور سرور کائنات ﷺ کے ارشادات کو "وحی غیر متلو" اور "وحی خفی" بھی اسی نسبت سے کہا جاتا ہے اور ان کی حفاظت وصیانت بھی اسی طرح ہوئی کہ آپ کے فیض یافتہ حضرات نے آپ کے اقوال اور حرکات وسکنات کو جوں کا توں محفوظ کیا۔ آپ کی اداؤں کی حفاظت کی اور پھر انہیں امت کے اگلے طبقات تک پہنچایا۔ اس دنیا میں ایسے بد بخت عناصر کی کمی نہیں جنہوں نے اپنی اپنی دکانِ سیاست

اور اپنی فسادی تحاریک کو پروان چڑھانے کے لئے جھوٹی احادیث گھڑیں۔۔۔ان خوفِ خدا سے بے نیاز عناصر نے کمالِ ڈھنائی اور بے شرمی سے اپنی خود ساختہ چیزوں کو سرکار کی ذات اقدس کی طرف منسوب کیا لیکن اللہ کی ان گنت رحمتیں نازل ہوں حضرات محدثین اور اصحاب جرح وتعدیل پر کہ انہوں نے مسلسل محنت اور دماغ سوزی سے کام لے کر دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کر دیا۔ ''اسماء الرجال'' کا عجیب وغریب فن جہاں مسلمانوں کی علم دوستی بلکہ علم پروری کا غماز ہے وہ ان باطل پرست افراد کی نقاب کشائی کا مؤثر ترین ذریعہ ہے۔جنھوں نے کائنات کے سب سے بڑے اور صادق ترین انسان کی طرف اکاذیب واباطیل کی نسبت کرنے سے گریز نہیں کیا۔اس فن کے ذریعہ ''راویانِ حدیث'' سے ایک ایک کے حالات پر گفتگو کی گئی ان کے عقیدہ وعمل، ان کی قوت وحفظ، ان کی ثقاہت وعدالت کیسی ہے اس کا پتہ اسی فن سے معلوم ہوا روایات حدیث پر نقد وجرح ہوئی اور جہاں صحیح احادیث کے متعدد مجموعے محدثین کرام کی محنت سعی سے معرضِ وجود میں آ گئے وہاں احادیث موضوعہ کے مجموعے بھی سامنے آئے تاکہ قیامت تک جھوٹے افراد کی گھڑی ہوئی روایات دنیا کے سامنے رہیں اور دنیا کے لئے اپنے عظیم المرتبت پیغمبر کے ارشادات پر عمل آسان ہو۔

''میری طرف جھوٹ کی نسبت کرنے والا اپنا ٹھکانہ جہنم بنا لے'' کے علاوہ بھی متعدد روایات میں آنحضرت علیہ السلام نے ایسے افراد کے متعلق وعیدیں بیان فرمائیں۔لیکن یہ وعید اپنی شدت کے اعتبار سے زیادہ سخت ہے۔اور واقعی وہ آدمی ایسے ہی انجام کا مستحق ہے جو ایسی ذات کی طرف جھوٹ منسوب کرتا ہے جس کے بدترین دشمن بھی اسے کائنات ارضی کا صادق ترین انسان کہتے ہیں۔صلی اللہ تعالیٰ علیہ واصحابہ وسلم!

کسی چیز کا ملنا۔۔۔۔۔اور مانگنا :

(۲) عَنْ عبداللہ بن عامر الیحصبیّ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ سَمِعْتُ معاوِیَۃَ رَضِیَ اللہ تعالیٰ عنہ یَقُوْلُ اِیَّاکُمْ وَاَحَادِیْثَ اِلَّا حَدِیْثًا کَانَ فِیْ عَھْدِ عُمَرَ فَاِنَّ عُمَرَ کَانَ یُخِیْفُ النَّاسَ فِیْ اللہِ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللہِ صلی اللہ تعالیٰ علیہ واصحابہ وسلم وَھُوَ یَقُوْلُ اِنَّمَا اَنَا خَازِنٌ'' فَمَنْ اَعْطَیْتُہٗ عَنْ طِیْبِ نَفْسِیْ فَمُبَارَکٌ'' لَہٗ فِیْہِ وَمَنْ اَعْطَیْتُہٗ عَنْ مَسْئَلَۃٍ

وَشَرِّہٖ کَانَ کَالَّذِیْ یَاْکُلُ وَلَا یَشْبَعُ. (مسلم ص۳۳۳ ج۱)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عامرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت امیر معاویہؓ سے سنا آپ فرماتے تھے لوگو! تم روایت حدیث کے معاملہ میں غایت درجہ احتیاط سے کام لو ہاں وہ احادیث بلا جھجک بیان کرو جو حضرت فاروق اعظمؓ کے زمانہ میں شائع وذائع تھیں کیونکہ حضرت عمرؓ ایسے بزرگ تھے جو لوگوں کو اللہ تعالیٰ سے بہت ڈراتے تھے۔ میں نے سرکار دو عالم سے سنا وہ فرماتے کہ میں۔ یقیناً خازن ہوں جس کو اپنی خوشی سے کوئی چیز دیتا ہوں تو وہ اس کے حق میں بہت ہی برکت والی ہے اور جس کو اس کے سوال یا اس کے شر سے بچنے کے لئے کچھ دیا جاتا ہے تو اس کی مثال اس شخص کی مانند ہے جو کھاتا تو ہے لیکن اس کا پیٹ نہیں بھرتا'' پہلے جو حدیث پاک نقل کی گئی تھی اس میں یہ ذکر تھا کہ جو شخص جناب رسالت مآب ﷺ کی طرف غلط بات کی نسبت کرتا ہے وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔ یہ اور اس قسم کے ارشادات ہیں جن کی بنا پر حدیث کے روایت کرنے میں غایت درجہ احتیاط کی تلقین کی جاتی تھی حضرت امیر معاویہؓ نے اسی بات کی طرف توجہ دلائی کہیں ایسا نہ ہو کہ اس میں من گھڑت اور موضوع روایات کی آمیزش ہو جائے ۔ چونکہ حضرت عمر فاروق اعظمؓ '' اشد هم فی امر اللّٰہ '' تھے اس لئے آپ نے فرمایا کہ جو روایات عام طور پر دورِ فاروقی میں شائع وذائع تھیں انہیں البتہ بلا جھجک نقل کرو کیونکہ ان کے زمانہ میں من گھڑت چیزوں کو حدیث کا عنوان دے کر معاشرہ میں پھیلانا کسی کے بس کی بات نہ تھی۔ اس سے آگے جو روایت ہے اس کا ایک حصہ تو وہی ہے جو پہلے آچکا ہے یعنی ''انما انا قاسم واللہ یعطی'' دوسرا حصہ یہ ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ میں خازن ہوں جس کا مفہوم یہ ہے کہ آپ اللہ کے نبی تھے اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو علوم وکمالات عطا فرمائے تھے ان کی اشاعت وترویج اور ان کو لوگوں تک پہنچانا آپ کے فرائض میں شامل تھا نیز مسلم معاشرہ کی فلاح وبہبود اور اس کے اجتماعی مفادات کی غرض سے مختلف مناصب پر لوگوں کو متعین کرنا اور ان سے کام لینا بھی آپ ہی کا کام تھا۔ سیرت نبوی ﷺ کو پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ مختلف لوگوں کی مختلف ذمہ داریوں پر تقرر فرماتے۔ وہ حضرات بلا حیل وحجت ان ذمہ داریوں کو پورا کرنے میں منہمک ہو جاتے۔ لیکن یہ سب کچھ ایسا ہوتا تھا کہ کوئی شخص کبھی آپ سے کسی ذمہ داری کو سنبھالنے کی درخواست نہیں کرتا تھا بلکہ آپ کی نگاہِ انتخاب جس پر پڑتی وہی اس کام کو سرانجام دیتا اور اپنی سعادت تصور کرتا۔ اسلامی معاشرہ میں لوگوں کا عہدہ ومنصب کی تلاش میں سرگرداں ہونا ایک عجیب سی

بات ہے اور یہ انہونی بات ہمارے یہاں اس وقت سے رواج پذیر ہوئی ہے۔ جب ہم مغربی جمہوریت کے والا وشیدا ہوئے ہیں اب ہم میں سے ہر میر وفقیر کا یہ حال ہے کہ وہ تلاش منصب میں سرگرداں ہے۔ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ اس قسم کے لوگوں کا یہ حال ہے گویا کھایا تو سہی لیکن پیٹ نہیں بھرا۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ جس شخص کو اس کی اہلیت کی بنا پر کوئی ذمہ داری سونپی جاتی ہے اللہ تعالیٰ اس کے معین و مددگار ہوتے ہیں اور اس کی امداد فرماتے ہیں' توفیق الٰہی اس کام کی انجام دہی اس کے لئے آسان فرما دیتی ہے۔ اس کے برعکس جو مانگ کر کوئی ذمہ داری لیتا ہے تو قدرت کی امداد و نصرت اس کے شامل حال نہیں ہوتی اور وہ معاملہ خود اسی کے سپرد کر دیا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جب نصرتِ خداوندی سے کوئی محروم ہو جائے تو پھر معاملات کی انجام دہی بھی ایسی ہوتی ہے کہ انسان قدم قدم پر ٹھوکریں کھاتا ہے اور بسا اوقات برے انجام سے دوچار ہو کر رہ جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ انجام کی خرابی سے بچائے۔ آمین!

جن اوقات میں نماز جائز نہیں :

(۷) عَنْ مُعَاوِيَةَ رضی اللہ تعالیٰ عنه اَنَّه' رَاٰی اُنَاسًا يُصَلُّوْنَ بَعْدَ الْعَصْرِ فَقَالَ اِنَّكُمْ لَتُصَلُّوْنَ صَلَاةً قَدْ صَحِبْنَا النَّبِیَّ ﷺ فَمَا رَاَيْنَاهُ يُصَلِّيْهَا وَلَقَدْ نَهٰی عَنْهَا يَعْنِی الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعَصْرِ . (مسند احمد ص ۱۰۰ ج ۴)

ترجمہ: یہ روایت مسند احمد کے علاوہ بخاری ص ۸۳ ج اور ص ۵۳۲ ج ۱۔ اور السنن الکبریٰ ص ۴۵۲ ج ۲ پر ذرا سے لفظی اختلاف کے ساتھ موجود ہے۔ لیکن مفہوم میں اس ذرا سے اختلاف سے کوئی اثر نہیں پڑتا۔ ترجمہ یہ ہے: حضرت امیر معاویہؓ نے کچھ لوگوں کو دیکھا کہ وہ عصر کے فرائض کے بعد نوافل ادا کر رہے ہیں فرمایا تم یہ کیسی نماز پڑھتے ہو؟ ہم نے جناب نبی کریم ﷺ کی صحبت کا شرف حاصل کیا۔ اس طرح نماز پڑھتے ہم نے آپ ﷺ کو نہیں دیکھا اور آپ نے ان سے منع بھی کیا۔ یعنی عصر کے بعد دوگانہ ادا کرنے سے آپ نے روکا۔ نماز فرض ہے تو اس کے اوقات بھی متعین ہیں قرآن مجید میں ہے۔ اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتَابًا مَّوْقُوْتًا. تاہم اگر کوئی شخص مقررہ اوقات پر کسی وجہ سے نماز نہ پڑھ سکے تو دوسرے اوقات میں اس کی قضا کر سکتا ہے لیکن یہ بات ذہن میں [illegible]

☜ وقت پر نماز کے معاملہ میں غفلت و سستی کا مظاہرہ کرنا اور دوسرے وقت پر قضا کر لینے کی ریت سی بنا لینا بہت بڑا جرم اور شدید قسم کا گناہ ہے۔ پنجگانہ نماز جن کے اوقات متعین ہیں کے علاوہ بعض دوسری نمازیں ہیں جو نوافل میں شمار ہوتیں ہیں اور وہ بھی مخصوص اوقات میں پڑھی جاتی ہیں مثلاً تہجد، اوّابین اشراق، چاشت وغیرہ بعض نمازیں ضرورت کے وقت پڑھی جاتی ہیں جیسے صلاۃ حاجت، کسوف اور خسوف کی نمازیں وغیرہ۔۔۔بعض اوقات ایسے ہیں جن میں کسی بھی قسم کی نماز کی گنجائش نہیں ہوتی اور بعض ایسے اوقات ہیں جن میں بعض خاص قسم کی نمازوں کی اجازت نہیں۔

مولانا سیدزوار حسین شاہ صاحب نقشبندی مجددی قدس سرہٗ کی فقہی مسائل کے سلسلہ میں معرکۃ آلاراء مفصل کتاب عمدۃ الفقہ کا خلاصہ زبدۃ الفقہ کے نام سے چھپا ہے اس کے دوسرے حصہ کے ص ۱۱۱ پر ان مسائل کی تحقیق موجود ہے۔اس کے مطابق اوقات مکروہہ دو قسم کے ہیں۔پہلی قسم میں تین وقت ہیں یعنی طلوع، استوا اور غروبِ آفتاب۔ان تین اوقات میں کوئی نماز خواہ ادا ہو یا قضا جائز نہیں آدمی شروع کر بھی لے تو شروع نہیں ہوتی۔پہلے سے شروع ہو تو یہ اوقات داخل ہو جائیں تو نماز باطل ہو جاتی ہے۔البتہ جنازہ جائز ہے بشرطیکہ ان تین وقتوں میں سے کسی وقت تیار ہوا ہو تو اس کی ادائیگی اسی وقت میں بہتر اور تاخیر مکروہ ہے انہی اوقات میں آیت سجدہ پڑھی جائے تو کراہت تنزیہی کے ساتھ سجدہ تلاوت جائز ہے۔اسی دن کی عصر کی نماز اتنی دیر تک موخر کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ان اوقات میں طلوع فجر سے لے کر طلوع آفتاب کا وقت ہے کہ اس میں موکدہ کراہت تحریمہ کے ساتھ شروع ہو جائے گی اور اس کو توڑ کر کامل وقت میں ادا کرنا واجب ہوگا۔یہی حال اس نماز کا ہے۔جس کی نذر ان اوقات کے ساتھ مقید ہو۔

اور دوسری قسم ان اوقات کی ہے جن میں صرف نوافل کا قصداً پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔ان اوقات میں طلوع فجر سے لے کر طلوع آفتاب تک کا وقت ہے کہ اس فجر کی دو رکعت سنت موکدہ کے علاوہ کسی قسم کی سنت نفل کی ادائیگی جائز نہیں۔عصر کی فرض نماز کے بعد سے سورج کے متغیر ہونے تک کا وقت کہ اس میں بھی نوافل سنت کی ادائیگی درست نہیں۔غروب آفتاب سے مغرب کی نماز شروع ہونے کے درمیان کا وقت تا کہ مغرب کی نماز میں تاخیر نہ ہو۔جمعہ کے خطبہ کے دوران، ہاں کسی نے پہلے سے سنت شروع کر رکھی تھیں اور خطبہ شروع ہو گیا تو انہیں پورا کرے۔اسی طرح فرض نماز کے لئے اقامت

ہو جائے تو سنت نہ پڑھے۔ ہاں فجر کی سنت پڑھ لے بشرطیکہ جماعت فوت نہ ہو۔ اگرچہ آخری قعدہ میں مل جائے۔ اسی طرح جب کسی نماز کا وقت تنگ ہو جائے تو اس وقت کے فرض کے سوا باقی سب نمازیں مکروہ تحریمی ہیں۔ عیدین کی نماز سے پہلے گھر، مسجد، عید گاہ کسی بھی جگہ نفل جائز نہیں اور نماز کے بعد مسجد و عید گاہ میں مکروہ ہیں۔ گھر میں آ کر پڑھ سکتا ہے۔

میدانِ عرفات میں جس آدمی نے شرائط کے ساتھ ظہر و عصر جمع کی تو ان فرضوں کے درمیان نفل و سنت پڑھنا مکروہ تحریمی ہے اور بعد میں بھی۔ یہی حال مزدلفہ میں مغرب و عشاء کے جمع کا ہے کہ ان کے درمیان بھی نفل درست نہیں۔

پیشاب، پاخانہ کی حاجت ہو یا ریح کے غلبہ کو روک کر کوئی بھی نماز فرض یا نفل مکمل صحیح نہیں۔ اسی طرح کوئی اور ایسا سبب ہو جس کی وجہ سے نماز کا خشوع باطل ہوتا ہو تو یہی مسئلہ ہے۔

حضرت امیر معاویہؓ نے بعض لوگوں کو عصر کے بعد نوافل میں مشغول دیکھا تو انہیں تنبیہ فرمائی اور فرمایا کہ رسول ﷺ کی صحبت ہم کو نصیب ہوئی آپ ﷺ نے ایسا نہیں کیا بلکہ روکا، پھر تم ایسا کیوں کرتے ہو؟

اس حدیث کے پیشِ نظر ہم نے ذرا تفصیل سے اس سلسلہ کے مسائل عرض کر دیے ہیں تاکہ عام لوگ آگاہ ہو جائیں۔ وما علینا الا البلاغ۔

انصار کی محبت اور دشمنی:

(۸) فَقَالَ مُعَاوِيَةُ اَلَا اَزِيْدُكُمْ حَدِيْثًا سَمِعْتُهٗ، مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صلّى الله تعالىٰ عليه و اصحابه وسلم قَالُوْا بَلٰى يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ فَقَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلّى الله عليه و اصحابه وسلّم يَقُوْلُ مَنْ اَحَبَّ الْاَنْصَارَ اَحَبَّهُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ. (مسند احمد ص ۹۹ ج ۴)

ترجمہ: حضرت معاویہؓ نے فرمایا میں تمہاری بات پر اضافہ کرتے ہوئے وہ بات بتاتا ہوں جو میں نے سرکار دو عالم ﷺ سے سنی۔ لوگوں نے عرض کیا۔۔۔۔ جی ہاں امیر المومنین! ارشاد فرمائیں۔ آپ نے فرمایا کہ سرورِ کائنات علیہ السلام سے میں نے سنا۔ آپ ﷺ ارشاد فرماتے تھے کہ جو انصار سے محبت رکھے گا اسے اللہ تعالیٰ محبوب رکھیں گے۔ اور جس نے ان سے بغض کا برتاؤ کیا وہ اللہ تعالیٰ کی

نظروں میں مبغوض ہوگا۔ مسند احمد کی یہ روایت ایک طویل روایت کا حصہ ہے۔ یزید بن جاریہ انصاریؓ فرماتے ہیں کہ انصار کی ایک جماعت بیٹھی تھی کہ حضرت امیر معاویہؓ وہاں تشریف لائے وہاں جو گفتگو ہو رہی تھی اس کے متعلق آپ نے سوال کیا تو ان حضرات نے کہا کہ ہم انصار سے متعلق آپ کے ارشادات کا ذکر کر رہے ہیں تب آپ نے فرمایا کہ میں تمہیں وہ بات سناتا ہوں جو میں نے آپ ﷺ سے سنی۔

صحابہ کرام علیہم الرضوان سے ہر ایک کی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے نزدیک جو قدر و منزلت ہے اس کا اندازہ اُن اَن گنت ارشاداتِ قرآنی اور احادیث نبوی ﷺ سے ہوسکتا ہے جن سے ایک زمانہ آگاہ ہے۔ اس ذی وقار جماعت کی بنیادی تقسیم مہاجرین وانصار کی ہے جس کی وضاحت کی چنداں ضرورت نہیں۔ مختصراً یہ کہ مہاجرین وہ ہیں جنہوں نے سرکار ﷺ کے ساتھ مکہ معظمہ سے دین اسلام کی خاطر ہجرت کی' گھر چھوڑا اور انصار وہ ہیں جنہوں نے اپنے گھروں کے دروازے مدینہ طیبہ میں ان اپنے بھائیوں کے لئے کھول دیئے۔ دونوں طبقات کے متعلق قرآن میں تفصیلات موجود ہیں۔ نمونہ کے طور پر ایک آیت کا ترجمہ ملاحظہ ہو۔ ''(مال فے) ان کے لئے بھی ہے کہ جنہوں نے ان سے (مہاجرین سے) پہلے (مدینہ) گھر اور ایمان حاصل کر رکھا ہے' جو ان کے پاس وطن چھوڑ کر آتا ہے۔ اس سے محبت کرتے ہیں اور اپنے سینوں میں اس کی نسبت کوئی خلش نہیں پاتے جو مہاجرین کو دیا جائے اور وہ اپنی جانوں پر ترجیح دیتے ہیں اگرچہ ان پر فاقہ ہو' اور جو اپنے نفس کے لالچ سے بچایا جائے پس وہی لوگ کامیاب ہیں''۔ (سورۃ حشر آیت ۹ ترجمہ حضرت لاہوریؒ)

حضرات انصار نے جناب رسالت مآب علیہ السلام اور آپ ﷺ کے رفقاء کے لئے جس ایثار و قربانی کا ثبوت دیا اس پر یہ آیت شاہد ہے۔ دوسرے ارشادات بھی ہیں جن میں ان مقدس گروہ کا تذکرہ ہے۔ اس ایثار و قربانی کے سبب ان حضرات کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے بڑی سعادت نصیب ہوئی۔ اور اوپر کی حدیث گویا اس سلسلہ میں بڑی دستاویز ہے کہ باید وشاید؟ غزوہ حنین کے مالِ غنیمت کی تقسیم کے بعد حضور علیہ السلام نے انصار سے جو بات کہی وہ ان سے آپ کی محبت کا زبردست ثبوت ہے۔ آپ نے فرمایا کہ لوگ مال و دولت لے کر گھروں کو جائیں گے تمہیں اللہ کے رسول ﷺ کی معیّت نصیب ہوگی۔ یہ سن کر ان کے چہرے خوشی سے کھل گئے۔ ان کے ایثار کی بات تھی کہ فتح

مکّہ کے بعد حضور علیہ السلام اور کسی مہاجر نے اپنے گھر واپس آنے کا نہیں سوچا اور اپنے ان عظیم ترین بھائیوں کے ساتھ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بس گئے اور اپنا گھر ان کے خلوص ومحبت کی بنیاد پر بھول گئے۔

فاروق اعظمؓ کی شان :

(۹) عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ اَبِيْ سُفْيَانِ رضی اللہ تعالیٰ عنہما قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ و اصحابہ وسلم اِنَّ اللّٰہ جَعَلَ الْحَقَّ عَلٰی لِسَانِ عُمَرَ وَ قَلْبِہٖ۔

(الجامع الصغیر مع الفیض القدیر ص ۲۲۰ ج ۲)

ترجمہ: یہ روایت حضرت امیر معاویہؓ کے علاوہ حضرت ابن عمرؓ حضرت ابوذر غفاریؓ حضرت ابو ہریرہ اور حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی منقول ہے۔ سرکارِ دو عالم کے رفقاء عزیز جنہیں ''صحابہ'' کہا جاتا ہے ان کی تعریف وتوصیف میں خود ان کے خالق و مالک نے قرآن عزیز اور سرکار دو عالم نے احادیث میں بہت کچھ ارشاد فرمایا۔ آیات وروایات سے بعض تو وہ ہیں جن کا تعلق پوری جماعت سے ہے یا کسی خاص طبقہ سے۔ مثلاً مہاجرین سے متعلق، انصار سے متعلق وغیر ذالک جبکہ بعض آیات و روایات ایسی ہیں جو مخصوص شخصیات سے متعلق منقول ہیں۔ سورۃ زمر کے چوتھے رکوع کی آیت نمبر ۲ کے متعلق مخالفین تک معترف ہیں کہ اس کے مصداق حضرت صدیق اکبرؓ ہیں۔ اسی طرح سورۃ توبہ کی مشہور آیت جو غار حرا سے متعلق ہے اور سورہء لیل کی آخری آیت بھی انہی سے متعلق ہیں۔ حضرت عمرؓ کی تائید میں متعدد آیات موجود ہیں اور انہیں امتیازی طور پر "الرای کان موافقا بالوحی و الکتاب" کہا جاتا ہے اور بھی کئی روایات ہیں جو ان کی خاص ذات گرامی سے متعلق ہیں۔ حضرت صدیق اکبرؓ پوری جماعت میں سب سے زیادہ افضل ہیں تاہم بعض معاملات ایسے ہیں جن میں جزوی طور پر حضرت فاروقؓ کی حیثیت کا اہل ایمان نے اقرار کیا مثلاً پوری جماعت میں آپ تنہا شخص ہیں جنہیں سرور کائنات ﷺ کی مراد ہونے کا شرف حاصل ہے " اللھم اعز الا سلام بعمرین " دعا کا ثمرہ اور نتیجہ آپ ہی ہیں جن کے مسلمان ہونے کے بعد مسلمانوں کو بیت اللہ شریف میں نماز کی اجتماعی سعادت نصیب ہوئی اشدھم فی امر اللہ عمر۔ حضرت نبی اکرم نے آپ کے متعلق ارشاد فرمایا ختم نبوت کا خدائی فیصلہ نہ ہوتا تو سرکار کے بقول منصب نبوّت سے حضرت فاروقؓ کو نوازا جاتا۔ آپ کو حدیث میں

محدث کہا گیا ہے۔

اور یہ روایت جو اوپر نقل ہوئی آپ سے ہی متعلق ہے۔ سرکار ﷺ کا فرمان یہ ہے کہ عمرؓ تو ایسے ہیں کہ ان کی قلب وزبان پر خود حق تعالیٰ نے حق کو جاری فرما دیا ہے۔ یہ اتنی بڑی سعادت وکامرانی کی بات ہے کہ باید وشاید۔ اللہ تعالیٰ نے اس مقدس جماعت کے متعلق فرمایا کہ اللہ نے ان کے لئے ایمان کو پسند فرما کر ان کے قلوب کو ایمان سے مزین فرمایا اور اس سے ان کے دلوں کو تزئین بخشی۔ جبکہ خدا نے کفر، فسق اور عصیان کو ان کے لئے ناپسند کیا۔ ظاہر ہے کہ جن کے ایمان کی اللہ کے نزدیک یہ وقعت ہے اور جن کے لئے وحی کی شہادت کے مطابق کفر ونافرمانی ناپسندیدہ قرار دی گئی ہو ان کا بولنا اور باقی معاملات میں رضا مولیٰ کے تصور کے سوا کچھ نہ ہوگا۔ اسی وجہ اہل السنّت والجماعت جماعت صحابہؓ سے متعلق ''محفوظ'' ہونے کا عقیدہ رکھتی ہے۔ گویا اللہ نے اسلام کی ترویج واشاعت کی غرض سے اس جماعت کو بے پناہ کمالات سے نوازا۔ اور قدم قدم پر ان کی حفاظت فرمائی اور جو زیادہ نوازے گئے ان میں حضرت عمر فاروقؓ بھی جو دعا محمدی کا نتیجہ ہیں۔ آپ ﷺ کے خسر ہیں کہ آپ کی صاحبزادی حضرت حفصہؓ سرکار ﷺ کی ازواج مطہرات اور آپ کے اہل بیت میں شامل ہیں اور حضرت ابو بکر صدیقؓ نے آپ کو ملت کی کشتی کے کھیون ہار کے طور پر نامزد کیا۔ آپؓ نے دس سال سے زائد کا عرصہ اس منصب پر رہ کر ملت کی خدمت کی اور ایسی خدمت کی جس کی مثال باید وشاید؟ شاہی میں فقر ودرویشی آپ کا امتیاز تھا اور حضور علیہ السلام کی متعدد پیش گوئیاں آپؓ کے دور میں پوری ہوئیں۔ قیصر وکسریٰ کے سنگھاسن الٹے اور انہی معاملات کا انتقام کفر کی اجتماعی طاقت نے آپ سے اس طرح لیا کہ مسجد نبوی میں آپ کو شہید کرادیا۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

بیماری۔۔۔۔ گناہوں کا کفّارہ:

(۱۰) عَنْ مُعَاوِيَةَ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و اصحابہ و سلم يَقُوْلُ مَا مِنْ شَيْءٍ يُصِيْبُ الْمُؤْمِنَ فِيْ جَسَدِهٖ يُؤْذِيْهِ اِلَّا كَفَّرَ اللّٰهُ بِهٖ مِنْ سَيِّئَاتِهٖ

(رواہ احمد)

ترجمہ: ''الفتح الربانی'' کے مصنف علام نے اپنی کتاب کے صفحہ ۱۳۲ ج ۱۹ پر مسند احمد کی یہ روایت

نقل کی ہے اور امام ہیثمی اور منذری رحمہما اللہ تعالیٰ نے اس کی اسناد کو حسن قرار دیا ہے۔ حدیث کا ترجمہ ہے: ''حضرت امیر معاویہؓ فرماتے ہیں: میں نے جناب سرور کائنات ﷺ سے سنا کہ بندہ مومن کو اپنے جسم میں جو تکلیف واذیت پہنچتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے اس کے گناہوں کا کفارہ بنا دیتے ہیں''۔

انسان اپنی محدود زندگی میں کئی قسم کی پریشانیوں اور تکلیفوں کا شکار ہوتا ہے بلکہ قرآن کریم نے سورۃ بلد میں فرمایا: لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْ كَبَدٍ (کہ ہم نے انسان کو تکلیف میں پیدا کیا ہے) انسان جتنے دن دنیا میں جیتا ہے وہ پریشانیوں سے دوچار رہتا ہے کبھی اسے خود کوئی تکلیف ہوتی ہے تو کبھی اس کے اہل وعیال اور اعزہ میں سے کوئی مبتلائے مصیبت ہوتا ہے' ایک بات تو یہ ہے کہ ایسے حالات میں انسان کو صبر وضبط سے کام لینا چاہیے۔ مصائب اور پریشانیوں میں جزع فزع نہیں کرنا چاہیے کہ ایسا طرزِ عمل حضرت حق جلّ مجدہٗ کی شکایت ہے جو کسی طرح درست نہیں۔ حضور علیہ السلام نے اس سے سختی سے روکا ہے۔ اور قرآن عزیز نے فرمایا کہ (جو لوگ مصائب اور تکلیف میں صبر کا مظاہرہ کرتے ہیں) انہیں اے پیغمبر خوشخبری سنا دیں۔ صابر وہ ہیں کہ جب انہیں مصیبت پہنچتی ہے تو وہ'' انا لِلّٰہ و انا الیہ راجعون'' کہتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن پر ان کے پروردگار کی رحمتیں نازل ہوتی ہیں اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں (مفہوم آیت بقرہ) دوسری بات جو اس روایت سے متعلق ہے وہ یہ ہے کہ جو تکلیف اور پریشانی آتی ہے وہ گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہے۔ انسانی فطرت یہ ہے کہ وہ بالعموم تکالیف کے وقت خدائے ذوالجلال کو یاد کرتا ہے اور زیادہ۔ بلکہ قرآن عزیز نے کئی جگہ فرمایا کہ کافر بھی مصیبت کے وقت خالص اللہ کو پکارتے ہیں لیکن جب وہ مصیبت ٹل جاتی ہے تو پھر وہی ڈھاک کے تین پات۔ وہی مشرکانہ طور طریقے اور وہی غیر اللہ کی مدد' (اس قسم کی آیات سورۃ زمر اور سورۃ لقمان وغیرہ میں ہیں) لیکن بندہ مومن ہر حال ہر گھڑی اللہ ہی کو پکارتا ہے۔ خوشی وراحت کا ماحول ہو یا بیماری تکلیف کا وہ اللہ کو پکارتا ہے' اسی کے آستانہ پر جھکتا اور اسی سے اپنی مرادیں طلب کرتا ہے۔ بیماری اللہ کی طرف سے ہوتی ہے' تو صحت بخشنے والا بھی وہی ہے۔

موحد اعظم حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کتنی عظیم بات کہی جب بیمار ہوتا ہوں تو ذات اقدس مجھے صحت وشفا بخشتی ہے جب خوشی راحت میں بندہ مومن اللہ کی طرف متوجہ رہتا ہے۔ تو بیماری و تکلیف میں زیادہ متوجہ ہوتا ہے اور اس پر صبر کرتا اور اس قدرت کی حکمت سمجھتا ہے تو مالک الملک اسے

اس کے حق میں کفارۂ سیات بنادیتے ہیں۔ ایسے بھی اللہ کے بندے ہیں جو صحت کی طرح بیماری کو اللہ کی نعمت سمجھتے ہیں۔ جیسا کہ حضرات علماء دیوبند کے شیخ مرشد الحاج امداد اللہ مہاجر مکی قدس سرہٗ نے فرمایا لیکن یہ مقام خاص مقربین بارگاہ الست کو حاصل ہوتا ہے۔۔۔۔ اور مرضیات خداوندی پر کمال درجہ کی ثابت قدمی انہی کا مقدر ہوتی ہے۔ بہرحال کسی بھی تکلیف و پریشانی پر واویلا نہیں کرنا چاہیے بلکہ شرعی حدود میں رہ کر اس کا علاج معالجہ کرنا چاہیے۔ اور اپنے رب کی رحمت سے اس بات کی توقع اور امید رکھنی چاہیے کہ وہ اپنے نبی کے وعدہ کے مطابق اسے میرے حق میں کفارۂ سیات بنادے گا۔ جب رحمت باری سے ایسی توقع وابستہ رکھی جائے تو وہ بے پناہ کرم فرماتی ہے۔ کیونکہ اس کا ارشاد ہے کہ بندہ جس طرح کا میرے معاملہ میں گمان رکھتا ہے اسی طرح کا میں اس سے سلوک کرتا ہوں۔

سچ اور جھوٹ :

(۱۱) عَنْ مُعَاوِیَةَ بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال قال رسول اللہ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ و اصحابہ وسلم عَلَیْکُمْ بِالصِّدْقِ فَاِنَّه' یَهْدِیْ اِلَی الْبِرِّ وَهُمَا فِیْ الْجَنَّةِ وَاِیَاکُمْ وَالْکِذْبِ فَاِنَّه' یَهْدِیْ اِلَی الْفُجُوْرِ وَهُمَا فِیْ النَّارِ .

(رواہ الطبرانی فی الکبیر باسناد حسن۔ الترغیب والترہیب ص ۲۷ ج ۴)

ترجمہ: ''حضرت معاویہؓ سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ جناب سرور کائنات ﷺ نے فرمایا کہ تم لوگ سچائی کو لازمی پکڑ لو اس لئے کہ سچائی نیکی کی رہنمائی کا ذریعہ ہے۔ اور یہ جنت میں لے جانے کا سبب ہے اور تم لوگ جھوٹ سے بچو کیونکہ جھوٹ برائی کی راہ دکھاتا ہے۔ اور یہ چیزیں جہنم میں لے جانے کا سبب ہیں''

سچ اور جھوٹ کے متعلق سرور کائنات ﷺ کے متعدد ارشادات میں سے ایک یہ بھی ہے جس کے الفاظ اور معانی آپ کے سامنے ذکر کیے گئے۔۔۔ ایک اور حدیث ہے جس میں سرور کائنات ﷺ فرماتے ہیں کہ اَلصِّدْقُ یُنْجِیْ وَ الْکِذْبُ یُهْلِکُ : سچائی نجات کا ذریعہ ہے تو جھوٹ ہلاکت اور تباہی کا۔

اہل شعور جانتے ہیں کہ سچائی اتنی عظیم صفت ہے کہ دنیا کے تمام مذاہب میں اس کی تاکید کی

گئی ہے اور اس سے بالمقابل جھوٹ سے ہر مذہب میں روکا گیا ہے اور اسلام جو اللہ کا نازل کردہ آخری اور سچا دین ہے اسمیں اس کی جتنی تاکید ہو کم ہے۔ حضرت نبی ﷺ کی سیرتِ مطہرہ پر نظر رکھنے والے حضرات اس امر سے بخوبی واقف ہیں کہ نبوت سے پہلے بھی حضور ﷺ "صادق" کے نام سے دنیا میں متعارف ومعروف تھے لوگ آپ کے کمال درجہ کی صداقت شعاری کے پیشِ نظر آپ کو صادق اور امین کہہ کر پکارتے۔ جب آپ ﷺ نے کوہ صفا پر اہل مکہ کو اکٹھا کر کے اسلام کی بنیادی تعلیم سے روشناس کرنے کا پروگرام بنایا تو آپ ﷺ نے سب سے پہلے اپنی ذات گرامی سے متعلق ان سے سوال کیا کہ تم لوگوں نے مجھے کیسا پایا؟ سچا یا اس کے برعکس۔۔۔ تو ان لوگوں نے بیک زبان اعتراف کیا کہ ہم نے آپ کو ہر حال میں سچا پایا۔۔۔ یہ بات الگ ہے کہ دعوت اسلام کے مبارک کلمات سننے کے بعد ان لوگوں نے شرافت وشرم کے تقاضے پورے نہ کئے حتیٰ کہ ابولہب نے عزیز داری کا بھی لحاظ نہ کیا اور آپ کو انتہائی سخت سست کہا جس کا رب قدیر نے فوراً نوٹس لے کر اس کی تباہی ورسوائی کا اعلان فرما دیا۔ جیسا کہ سورۃ اللھب میں موجود ہے۔۔۔ اور سیرت کے ابواب سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کے بدترین قسم کے دشمن آپ ﷺ کے منصب نبوت پر سرفراز ہونے کے بعد بھی اس کی جرات نہیں کرتے تھے کہ آپ ﷺ کو (معاذ اللہ) جھوٹا کہہ سکیں۔ وہ اقرار کرتے تھے کہ ایسا چہرہ بجز سچوں کے کسی کا ہوتا نہیں۔۔۔ رہ گیا آپ ﷺ کی دعوت کو نہ ماننا تو یہ ان کی بدبختی تھی کہ وہ اس آب حیات سے محروم رہے۔

قرآن عزیز نے سچوں کی رفاقت ومعیت میں رہنے کا حکم دیا ہے۔۔۔ یہ بات سورۃ توبہ میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے ان صحابہ علیہم الرضوان کا ذکر کیا ہے جو بوجوہ غزوہ تبوک میں شامل نہ ہو سکے تھے اس کی وجہ سے انہیں سخت ترین ابتلا کا شکار ہونا پڑا۔ لیکن انہوں نے منافقوں کی طرح جھوٹ بول کر دنیا اور عقبیٰ کی رسوائی مول نہیں لی۔۔۔ سچ بولا آزمائش آئی لیکن پھر کرم بھی ایسا ہوا کہ سبحان اللہ! اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے سچوں کی رفاقت کا حکم دیا۔ ہمارے یہاں محاورہ ہے "الحق مُرٌّ" سچ کڑوا ہوتا ہے۔ لیکن یہ تلخی وقتی اور بہت محدود وقت کیلئے ہوتی ہے۔ اس کا انجام اور نتیجہ بڑا ہی شیریں ہوتا ہے اور وہ ہے اللہ کی رضا، جنت کا حصول اور عذاب الٰہی سے نجات۔ اور ظاہر ہے کہ یہ بڑا ہی نفع بخش معاملہ ہے۔ اللہ تعالیٰ سچائی کو اپنانے کی توفیق دے۔

کس کی بخشش نہیں ہوگی؟

(۱۲) عَنْ مُعَاوِیَۃَ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللہ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ واصحابہ وسلم کُلُّ ذَنْبٍ عَسَی اللہُ اَنْ یَّغْفِرَہٗ، اِلَّا الرَّجُلُ یَمُوْتُ مُشْرِکًا اَوْ یَقْتُلُ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا.

(رواہ النسائی والحاکم وقال صحیح الاسناد الترغیب والترہیب ص ۲۰۳ ج ۳)

ترجمہ: حضرت معاویہؓ سے روایت ہے، کہ جناب سرور کائنات ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر گناہ کے متعلق اللہ تعالیٰ کی رحمت سے معافی کی امید ہے۔ہاں وہ شخص معاف نہیں کیا جائے گا جو شرک کی حالت میں مرا یا اس نے کسی مسلمان کو عمداً قتل کیا۔ حضور ﷺ کے ارشاد گرامی کے پیش نظر اس شخص کی بخشش نہیں ہوگی جو مشرک ہے۔باقی حقوق اللہ کے متعلق اللہ تعالیٰ مختار ہیں اور حقوق العباد کا مسئلہ اس وقت حل ہوگا جب صاحب حق معاف کردیں گے۔

مندرجہ بالا روایت جس کو امام نسائی اور امام حاکم رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے اسمیں قریب قریب یہی بات بیان کی گئی ہے کہ سرور کائنات علیہ السلام نے فرمایا کہ ہر گناہ گار کو اللہ کی رحمت سے بخشش و معافی کی امید رکھی جائے گی۔ہاں مشرک کا سوال ہی نہیں۔مشرک کی عدم بخشش کا ذکر قرآن کریم کی سورۃ نساء کی آیت ۱۱۶ میں ہے جس کا ترجمہ یہ ہے: ''بیشک اللہ اس کو نہیں بخشتا جو کسی کو اس کا شریک بنائے اور اس کے سوا جسے چاہے بخش دے اور جس نے اللہ کا شریک ٹھہرایا وہ بڑی دور گمراہی میں جا پڑا''۔(حضرت لاہوریؒ) حضرت لاہوریؒ اس آیت کے حاشیے میں فرماتے ہیں:۔''سرور دو جہاں ﷺ کے مسلک کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان واصل باللہ ہو جائے، خدائے تعالیٰ کا مخلص بندہ بن جائے، دنیا میں شریف نظر آئے اور عزت سے دیکھا جائے اور جو شخص اس مسلک سے نفرت کرے گا وہ یقیناً شرک میں مبتلا ہوگا۔اور مشرک بلا توبہ مرگیا تو مرنے کے بعد اس کی توبہ قبول نہیں ہوگی''۔(ص ۱۵۳)

اسی طرح سرور کائنات علیہ السلام نے توجہ دلائی اور یہ معاملہ بالکل واضح اور اٹل ہے جس میں کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔رہ گیا معاملہ مسلمان کو عمداً قتل کرنے کا، تو اس کی دو حیثیتیں ہیں ''حقوق اللہ'' سے بھی اس کا تعلق ہے اور ''حقوق العباد'' سے بھی۔حقوق اللہ سے بایں طور کہ اللہ تعالیٰ نے اس فعلِ شنیع سے روکا ہے اور بڑی سختی سے۔اس ذات اقدس نے ایک نفس کا قتل ساری انسانیت کا

قتل قرار دیا ہے۔(المائدہ آیت ۳۲)اور سرور کائنات علیہ السلام نے مسلمان کی جان‘ عزت اور مال کا باہمی احترام ضروری قرار دیا۔اب جو قتل کرے گا وہ احکام شرعیہ کو پامال کرنے کے سبب حقوق اللہ کے ضیاع کا باعث بنے گا۔حقوق العباد سے اس کا تعلق واضح ہے۔اور یہ یقیناً بڑا ہی سخت اور قبیح جرم ہے۔

النساء کی آیت ۹۳ کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں :

''اور جو کوئی کسی مسلمان کو جان کر قتل کرے اس کی سزا دوزخ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اس پر اللہ کا غضب اور اس کی لعنت ہے اور اللہ نے اس کے لئے بڑا عذاب تیار کیا ہے''۔

(ترجمہ حضرت لاہوری قدس سرہ)

اسی کے مطابق حضرت معاویہؓ کی مندرجہ بالا روایت کا مضمون ہے۔۔۔۔قرآن کریم کی اس آیت سے قبل کی آیت میں قتل خطاء کی سزا کا تفصیلی ذکر ہے بقول حضرت لاہوریؒ ''مومن کا مومن کو قتل کرنا بعید از قیاس ہے۔۔ہاں نادانستہ ہوسکتا ہے۔اگر نادانستہ ہوجائے تو اس کا مکمل قانون اس آیت ۹۲ میں ہے۔

وہ قانون عام حالات میں میت کے ورثاء کو خون بہا کی ادائیگی ہے الّا یہ کہ وہ معاف کر دیں لیکن جہاں تک قتل عمد کا تعلق ہے یہ ایسی بات نہیں کہ جسے آسانی سے معاف کر دیا جائے اس لئے قرآن کا انداز بیان اور سرور کائنات علیہ السلام کا ارشاد بڑی شدت لئے ہوئے ہیں۔ایک اور حدیث کے مطابق ''مومن کو گالی دینا فسق اور اس کو قتل کرنا کفر'' قرار دیا گیا ہے۔

خالق کائنات اور اس کے آخری نبی ﷺ کے ارشادات کی یہ سختی زبردست تنبیہ اور توجہ کا باعث ہے اور جو لوگ خون مسلم سے ہولی کھیلنے میں کوئی باک محسوس نہیں کرتے انہیں جھنجھوڑا جا رہا ہے۔تسلیم کہ ایسے کی بھی بالآخر بخشش ہوجائے گی لیکن کیا اللہ کی بخشش کے سہارے ایسے افعال کا ارتکاب طوطا چشمی اور شرمناک جسارت نہیں؟اور کیا جنت ایسی آسان ہے جس کے متعلق سوچ لیا جائے کہ نجات تو ہو ہی جائے گی۔رب کائنات کے غضب سے ڈرنا چاہیے کہ جہنم کا ایک لمحہ بھی ناقابل برداشت ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فہم صحیح نصیب فرمائے۔آمین!

سونے چاندی کے برتنوں کا استعمال :

(۱۳) عن ابی شیخ الھنائیؒ ان معاویۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ لِنَفَرٍ مِّنْ اَصْحَابِ

النَّبِیِّ صلی اللہ تعالیٰ علیہ واصحابہ وسلّم هَلْ تَعْلَمُوْنَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ واصحابہ وسلّم نَهٰی عَنِ الشُّرْبِ فِیْ اٰنِیَۃِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّۃِ قَالُوْا نَعَمْ.... قَالَ وَاَنَا اَشْهَدُ .....(مجمع الزوائد ص۱۸۶ ج۵)

ترجمہ: یہ حدیث مسند احمد اور طبرانی نے صاحب مجمع الزواید سے نقل کی ہے۔ جس کا ترجمہ یہ ہے کہ حضرت معاویہؓ نے سرورِ کائنات علیہ السلام کے صحابہؓ کی ایک جماعت سے یہ معلوم کیا کہ کیا آپ کو معلوم ہے کہ سرکار دو عالم علیہ السلام نے سونے اور چاندی کے برتنوں میں پانی پینے سے منع کیا تھا۔ ان حضرات نے کہا۔ جی ہاں معلوم ہے۔۔۔ گویا آپ نے ان سے تصدیق چاہی اور سب نے تصدیق کی اسی سے ملتی جلتی ایک اور روایت ہے جسمیں لکھا ہے کہ آپ نے صحابہؓ کی ایک جماعت سے سوال کیا اور اس طرح کہ انہیں قسم دے کر پوچھا کہ کیا آپ کو معلوم ہے کہ آپ نے سونے چاندی کے برتنوں میں پانی پینے سے روکا تھا؟ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو گواہ بنا کر کہا کہ ہاں واقعی آپ نے منع کیا تھا۔ جواباً آپ نے بھی فرمایا ''وانا اشھد'' کہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ واقعی آپ نے منع فرمایا تھا۔

سونے چاندی کا جہاں تک تعلق ہے ان کے متعلق اسلامی شریعت کے احکامات بالکل واضح ہیں۔ بنیادی بات یہ ہے کہ یہ ایسی چیزیں نہیں جنہیں جوڑ کر رکھا جائے یا انہیں زینت ونمائش کا ذریعہ بنایا جائے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی بہتری کی خاطر بنایا ہے اور بندوں کا یہ کام ہے کہ جس مقصد کی خاطر اللہ تعالیٰ نے انہیں بنایا ہے وہ مقصد حاصل کیا جائے۔ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ ان سے زینت کا کام لیا جائے تو شریعت مطہرہ نے عورتوں کی حد تک اس کی اجازت دی ہے لیکن وہ بھی اس طرح کہ عورتیں اپنے زیورات میں سے باقاعدگی سے زکوٰۃ ادا کریں۔ بشرطیکہ ان کے زیورات نصاب شرعی کے مطابق ہوں۔ ساڑھے سات تولے سونا اور باون تولہ چاندی شرعی نصاب ہے اگر کسی عورت کے پاس اس مقدار میں سونے یا چاندی کے زیورات ہیں تو ان پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ ان سے زکوٰۃ ادا کریں۔ ایسا نہ کرنا اپنے لئے جہنم مول لینے کے مترادف ہے جیسا کہ احادیثِ صحیحہ اس پر دلالت کرتی ہیں۔ آج کل جہاں اور بے اعتدالیاں ہیں وہاں یہ بے اعتدالی بھی عام ہے کہ خواتین اپنے زیورات سے بالعموم زکوٰۃ ادا نہیں کرتیں اور یہ کہہ دیتی ہیں کہ صاحب! یہ تو ذاتی استعمال کے لئے ہیں لیکن انہیں سوچنا چاہیے کہ شریعت اسلامی میں ذاتی استعمال والے زیورات زکوٰۃ سے مستثنیٰ نہیں ہیں ان

پر اسی طرح زکوٰۃ ہے جس طرح تجارتی اموال میں۔ آخر یہ کوئی بات نہیں کہ سونے چاندی کو زیورات کی شکل میں ڈھال کر گھر میں رکھ لیا جائے اور شرعی پابندیوں سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے یہ عذر بنا لیا جائے۔ اس قسم کے عذر کی اللہ تعالیٰ کے یہاں کوئی وقعت نہیں اور ایسا کرنا اپنے آپ پر ظلم کے مترادف ہے اور جہاں تک مردوں کا معاملہ ہے مردوں کے لئے سونے چاندی کا استعمال اور اسی طرح ریشم کا استعمال بالکل ناجائز اور حرام ہے اور جو لوگ اس معاملہ میں غفلت برتتے ہیں انہیں سمجھنا چاہیے کہ وہ اپنے آپ پر زیادتی کر رہے ہیں۔ ہاں مرد کے لئے ۲-۱/۲ ماشہ کی چاندی کی انگوٹھی کی اجازت ہے اور بس۔

لیکن جہاں تک سونے چاندی کے برتنوں کا تعلق ہے۔ آپ نے دیکھ لیا کہ حضور ﷺ کے ایک جلیل المرتبت صحابی جنہیں وحی الٰہی کے کاتب ہونے کا شرف حاصل ہے وہ کیا فرما رہے ہیں؟ انہوں نے صحابہؓ کی ایک جماعت کو قسم دے کر معلوم کیا تو سب نے اللہ تعالیٰ کو گواہ بنا کر کہا کہ واقعی آپ نے اس قسم کے برتنوں کو استعمال کرنے کی ممانعت فرمائی اور آپ نے بھی اس پر گواہی دی۔

جب ائمہ حدیث نے اس حدیث کو نقل کیا ہے انہوں نے اس حدیث کے راویوں کو ”رجال صحیح“ شمار کیا ہے۔ ایک مسلمان کے لئے پیغمبر اقدس ﷺ کے ارشادات حرف آخر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ تاہم اگر ذرا دقتِ نظر سے دیکھا جائے تو یہ بات معلوم کرنی مشکل نہیں کہ یہ طرز عمل اسلام کی روایتی سادگی کے منافی ہے۔ اسلام نے انسانی معاشرت کے لئے جو تعلیم دی اس میں کفایت وسادگی کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ اور یہ بات اس لیے بھی ضروری ہے کہ معاشرہ میں طبقاتی کشمکش جنم لے کر کسی ابتلا کا شکار نہ ہو جائے۔ جب انسانی معاشرہ میں بعض افراد اس قسم کے مسرفانہ انداز کو اپنائیں گے۔ تو دوسرے طبقات اس کا یقیناً منفی اثر لیں گے اور یہ منفی اثرات بالآخر مسائل کو جنم دینے کا باعث بنتے ہیں، اس لئے سرکار دو عالم علیہ السلام نے ایسے ہر کام سے روکا جو ملت میں تفریق وانتشار کا باعث بنے۔ سونے چاندی کے برتن بھی چونکہ اس ضمن میں آتے ہیں اس لئے آپ نے اس سے منع فرمایا۔ اللہ تعالیٰ اصلاحِ احوال کی توفیق بخشے۔ آمین!

سخاوت اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ :

(۱۴) عَنْ مُعَاوِيَةَ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ و اصحابہ و

سلم اَلسَّخَاءُ شَجَرَۃٌ فِی الْجَنَّةِ وَعُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ غُصْنٌ مِّنْ اَغْصَانِهَا وَاللُّوْمُ شَجَرَۃٌ فِی النَّارِ وَ اَبُوْ جَهْلٍ غُصْنٌ مِّنْ اَغْصَانِهَا ۔ (کنزالعمال ص ۱۹۸ ج ۱۲)

ترجمہ: حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جناب سرور کائنات ﷺ نے فرمایا کہ سخاوت جنت کے درختوں میں ایک درخت ہے۔ اور حضرت عثمان غنی اس کی ٹہنیوں میں ایک ٹہنی ہیں اور کمینگی جہنم کا درخت ہے اور ابوجہل اس کی ٹہنیوں میں سے ایک ٹہنی ہے"۔

سخاوت ایک ایسی خوبی ہے جو نہ صرف اسلام میں محمود ومطلوب ہے بلکہ دنیا کے ہر مذہب اور دھرم میں اس کی تعریف کی گئی ہے اور جب لوگوں میں یہ صفت ہوتی ہے انہیں ہر معاشرے میں عزت و توقیر کی نظروں سے دیکھا جاتا ہے۔۔۔ حاتم طائی کو آج تک ہمارے کلاسیکل ادب میں نمایاں مقام حاصل ہے اور ہر لکھنے والے نے اس کے متعلق لکھا اور اسے سراہا۔ اس کی وجہ کیا ہے کہ اسے اتنی شہرت حاصل ہوئی کہ آج تک وہ عزت وتوقیر سے یاد کیا جاتا ہے باوجود کہ وہ دولت اسلام سے محروم رہا۔ ظاہر ہے کہ اس سخاوت کی وجہ سے ہی اسے یہ مقام حاصل ہوا۔

اسلامی تاریخ میں جن حضرات کو اس صفت میں خاص طور پر عزت وشہرت حاصل ہوئی ان میں حضرت عثمان غنیؓ سرفہرست ہیں۔ تاریخ سے یہ بات ثابت ہے کہ آپ مکہ معظمہ کے متمول ترین افراد سے تھے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو آپ کی فطرتِ صحیحہ کے پیش نظر بالکل ابتداء میں ہی دامن اسلام سے وابستہ ہونے کی توفیق عطا فرمادی۔ غالباً آپ پانچویں مسلمان ہیں جنہیں یہ دولت سرمدی حاصل ہوئی۔

سرور کائنات علیہ السلام سے آپ کا تعلق اور عزیز داری تو پہلے بھی تھی کہ بنوہاشم اور بنوامیہ ایک ہی سلسلہ کی دوکڑیاں تھیں لیکن حضور علیہ السلام نے اپنی صاجزادی کا رشتہ آپ کو دے کر اس نسبت کو اور مضبوط فرمادیا۔۔۔ یہی صاجزادی حضرت رقیہؓ رضی اللہ عنہا تھیں۔ جنہوں نے اپنے خاوند محترم کے ساتھ حبشہ کی ہجرت کا شرف حاصل کیا۔ اور نبی اُمّی علیہ السلام نے فرمایا کہ آل لوطؑ کے بعد یہ پہلا جوڑا ہے جس نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی۔ یہی صاجزادی تھیں جنہیں ہجرت کرتے ہوئے کفار کے شر کا شکار ہونا پڑا۔ اور زخمی ہو کر مدینہ پہنچیں اور ایک عرصہ بیمار رہ کر اللہ کو پیاری ہوگئیں۔ حضرت عثمان غنیؓ پر حضور علیہ السلام کا جو اعتماد تھا اور جو باہمی تعلق تھا اس کا اندازہ بیعت رضوان کے پس منظر سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ نے انہیں اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا۔ اور جب ایسی خبریں آئیں جو تشویشناک تھیں تو آپ

نے ان کے قصاص کے لئے پوری جماعت سے بیعت لی اور آخر میں اپنے ہی دست مبارک کو دست عثمان قرار دے کر آپ کی غائبانہ بیعت لی۔

حضرت عثمانؓ نے خداداد دولت کو ہمیشہ اللہ کی امانت سمجھا اور اسے اللہ کی راہ میں اسطرح خرچ کیا کہ نبوت کا چہرہ خوشی و مسرت سے جگمگا اٹھا اور حضور علیہ السلام نے اتنی دعائیں دیں اور ایسی رضامندی کا اعلان کیا کہ کائنات جھومنے لگی۔ مدینہ کے غریب مسلمانوں کے لئے ہی نہیں بلکہ پوری آبادی کے لئے میٹھے پانی کا کنواں زرِ کثیر سے خرید کر وقف کرنا' جیش عسرہ میں بیش قیمت چندہ دینا' ہر جمعہ ایک غلام آزاد کرنا' مسجد نبوی کی توسیع اور اس جیسے متعدد کام ہیں جو حضرت عثمانؓ کی سخاوت و دریا دلی اور فیاضی کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ علاوہ دیگر ارشادات کے حضور علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا کہ سخاوت تو جنت کا درخت ہے اور عثمان اس کی شاخ! جبکہ بخل و کمینگی جہنم کا درخت ہے۔ اور سردار کفار ابو جہل جس نے اسلام دشمنی اور مسلمانوں کی ایذا رسانی میں حد کر دی تھی وہ اس جہنمی درخت کی ٹہنی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی بے حد و حساب رحمتیں ہوں حضرت عثمان مظلومؓ پر! اور اللہ تعالیٰ اُن کے دشمنوں کو خائب و خاسر کرے۔ آمین بحرمۃ سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم۔

سمع وطاعت :

۱۵۔ عَنْ مُعَاوِيَةَ رَضِي الله تعالىٰ عنه عَنْ النَّبِيِّ صلى الله تعالىٰ عليه واَصْحَابِهٖ وسلم قَالَ اِنَّ السَّامِعَ الْمُطِيْعَ لَا حُجَّةَ عَلَيْهِ وَ اِنَّ السَّامِعَ الْعَاصِيَ لَا حُجَّةَ لَهٗ. (طبرانی واحمد)

یہ روایت صاحبِ مجمع الزوائد نے صفحہ 217 جلد نمبر 5 پر اور صاحبِ کنز العمال نے جلد نمبر ا صفحہ 194 پر طبرانی اور مسند احمد کے حوالہ سے نقل کی ہے۔ اس کا ترجمہ یہ ہے کہ حضور نبی مکرم رحمت دو عالم قائدِ انسانیت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ وہ سامع (سننے والا) جو مطیع ہو (اطاعت گزار) اس پر کوئی حجت نہیں اور ایسا سامع جو عاصی ہو اس کی کوئی حجت قابل سماعت نہیں۔ دین اسلام جس کے ہم پیروکار ہیں وہ سمع وطاعت کا نام ہے یعنی انسان داعی حق کی بات سنے پھر اس کے مطابق زندگی گزارے جو ایسا کرتا ہے وہ صحیح معنی میں مسلمان کہلانے کا مستحق ہے قرآن کریم کی سورۃ نساء کی آیت نمبر 46 میں اللہ تعالیٰ نے یہود کی بری عادت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ (یہودیوں میں بعض ایسے ہیں

جو الفاظ کو ان کے محل سے پھیر دیتے ہیں اور کہتے ہیں ہم نے سنا اور نہ مانا۔ اور کہتے ہیں کہ "سن نہ سنایا جائے" تو اور کہتے ہیں "راعنا" اپنی زبان کو مروڑ کر اور دین میں طعن کرنے کے خیال سے) گویا اس یہ جرائم ذکر فرمائے گئے الفاظ کو محل سے پھیر دینا جسے تحریف کہتے ہیں دوسرا فرمایا "سمعنا" تو کہتے ہیں لیکن "عصینا" بھی ساتھ ہی کہتے ہیں یعنی نافرمانی کا جذبہ برابر ان پر مسلط رہتا ہے اسی طرح "سن نہ سنایا جائے تو" کی شرانگیزی ان کی فطرت ہے اور مجلس میں حضور علیہ السلام کی فرمائی ہوئی بات دہرانے کی غرض سے "راعنا" کا سیدھا سادا جملہ جس کا معنیٰ "ہماری رعایت فرمائیں" کو کھینچ کر اس طرح پڑھتے ہیں کہ وہ "راعینا" معلوم ہوتا ہے جسمیں آپ کی توہین کا پہلو نکلتا ہے اور یہ سب کچھ دین اسلام میں طعن کرنے کے خیال سے وہ کہتے ہیں۔ آگے فرمایا "اور اگر وہ کہتے کہ ہم نے سنا۔ اور ہم نے مانا اور سن تو اور ہم پر نظر کر تو ان کے حق میں بہتر اور درست ہوتا لیکن ان کے کفر کے سبب سے اللہ تعالیٰ نے ان پر لعنت کی سو ان میں سے بہت کم لوگ ایمان لائیں گے"۔ (ترجمہ حضرت لاہوری)

یعنی سمعنا و اطعنا کہنا اس کے حق میں بہتر اور بھلائی کی بات ہے لیکن اس کا کیا کیا جائے کہ جب آدمی کفر و انکار پر ڈٹ جاتا ہے اور اڑ جاتا ہے تو پھر جو نتائج ہوتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی لعنت کی شکل میں سامنے آتے ہیں یعنی بندہ حضرت حق جل مجدہ کی رحمت سے محروم ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ عرض کیا گیا "سمع وطاعت" ہی دین کا تقاضا ہے۔ اور اس حدیثِ محولہ بالا "سامع مطیع" کے لیے خوشخبری و بشارت ہے کہ جب اس نے سمع وطاعت سے کام لیا تو اب وہ فائز المرام اور کامیاب ہے اسے مجرم نہیں گردانا جا سکتا اسے الزام نہیں دیا جا سکتا۔ کیونکہ اس نے اللہ تعالیٰ کی بات سن کر اور عمل و طاعت کی راہ اپنا کر اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کا مورد بنا لیا لیکن جو اسلام کی بات بہت کہتا ہے سننے کی حد تک سب کچھ سنتا ہے لیکن وہ "عاصی" جرم و بغاوت اور طغیان و تمرد اور سرکشی اس کی جبلت ہے اور وہ برابر نافرمانی کا ارتکاب کرتا رہتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے حضور کسی قسم کی حجت یعنی عذر پیش نہیں کر سکتا وہ لاکھ چاہے گا کہ ادھر ادھر کی ہانک کر اور این و آن سے کام لیکر کام نکال لے لیکن وہ عدالت اس خالق کائنات کی ہوگی جو دلوں کے بھیدوں سے واقف ہے اس کے سامنے کوئی داؤ فریب نہیں چل سکے گا۔ پیغمبر اسلام ﷺ کا مختصر ارشاد بڑا بلیغ ہے اس کے معانی پر گہرے غور کی ضرورت ہے اللہ تعالیٰ حسن عمل کی توفیق دے۔

سیدہ عائشہؓ کا مقام حضرت معاویہؓ کی نظر میں :

(۱۶) عَنْ مُعَاوِیَۃَ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ مَا رَاَیْتُ خَطِیْباً قَطُّ اَبْلَغَ وَلَا اَفْصَحَ وَلَا اَفْطَنَ مِنْ عَائِشَۃَ ۔ (مجمع الزوائد ص ۲۴۳ ج ۹)

''حضرت معاویہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اُمّ المومنین حضرت سیّدہ عائشہ صدیقہؓ سے بڑھ کر کوئی بلیغ، فصیح اور فطین خطیب نہیں دیکھا''۔

یہ روایت امام طبرانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں نقل کی اور فرمایا کہ اس کے راوی صحیح ہیں اس میں حضرت ام المومنین سیدنا عائشہ کی خطیبانہ اور متکلمانہ عظمت کا ذکر کیا گیا ہے اور فرمایا گیا ہے کہ ان سے بڑھ کر بلیغ، فصیح اور فطین خطیب میں نے نہیں دیکھا۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ مزاج شناس رسول۔ حضرت ابوبکر صدیق اکبرؓ کی صاحبزادی تھیں انہوں نے جب سے آنکھ کھولی تو ان کے گھر میں دینِ رحمت کی بہاریں سایہ فگن تھیں۔۔۔ آخر وہ وقت آیا کہ وہ حرم نبوی ﷺ پہنچ کر اُمّ المومنین کے لقب گرامی سے مشرف ہوئیں۔ یہ اعزاز وشرف خود رب کائنات کا عطا فرمودہ ہے۔ جیسا کہ سورۃ احزاب میں ہے۔

النّبیّ اولی بالمؤمنین من انفسھم وازواجہ امّھاتھم (یعنی نبی مسلمانوں کے معاملہ میں ان سے بھی زیادہ دخل دینے کا حق دار ہے اور اس کی بیویاں اس کی مائیں ہیں) حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری قدس سرہٗ نے کورٹ میں ایک موقع پر یہی بات ارشاد فرمائی تھی کہ حضرت عائشہ سمیت آپ کی تمام بیویاں مسلمانوں کی قرآنی مائیں ہین۔۔ بہر حال کاشیانۂ نبوت میں تشریف آوری کے بعد نبوت سے انہیں براہِ راست اکتسابِ فیض کا موقعہ ملا۔ اور یہی وجہ ہے کہ دین کا نصف حصہ ان سے منقول ہے۔۔ حضور علیہ السلام پیار سے انہیں ''حمیرا'' فرماتے اور ارشاد فرماتے کہ عائشہؓ ہی ہیں جن کے بستر پر مجھ پر وحی آتی ہے۔ اور انہیں خدا کا سلام آتا ہے۔۔۔ آپ کی ذات مطہرہ پر جب تہمت لگی تو رب کائنات نے اس کی صفائی کے لئے سورۃ نور کی آیتیں نازل فرمائیں اور دامن عائشہؓ کی پاکیزگی کا اظہار فرمایا جو صبح قیامت تک ان کے لئے ایک اعزاز ہے۔۔ نبی کریم علیہ السلام نے آخری ایام آپ کے گھر میں گزارے اور اس طرح کی باقی ازواج مطہرات نے نبوّت کی منشاء کو محسوس کرتے

ہوئے بخوشی ایسا کرنے کا حق آپ کو دے دیا۔ اور اپنی باریوں کے معاملہ میں ایثار کا مظاہرہ فرمایا۔ سرور کائنات علیہ السلام کے آخری لمحات آپ کی گود میں گزرے اور آپ کا حجرہ ہی حضور علیہ السلام کا آخری مسکن بنا جو صبح قیامت تک بلانوشیانِ محبت کی روشنی کا مینار رہے گا۔

ان خصوصیات کی بناء پر حضرت عائشہؓ کو وہ امتیازی مقام ملا جس کا ذکر حضرت معاویہؓ نے اپنی روایت میں فرمایا ہے۔ بڑے بڑے جلیل المرتبت صحابہ علیہم الرضوان کو آپ سے شرفِ تلمذ حاصل تھا اور وہ مشکل ترین مسائل میں آپ سے رجوع فرماتے تھے قدرت نے آپ کو غضب کا حافظہ عطا فرمایا تھا ذہانت و فطانت ان کے گھر کی لونڈی تھی، قوت گویائی اور افہام و تفہیم کا مادہ ان میں بطریق اتم موجود تھا تاہم اس روایت سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ آپؓ منبر و سٹیج پر تقریر کرتی پھرتی تھیں۔ شرم و حیا اور عفت و عصمت آپ کا زیور و سرمایہ تھا آیت حجاب کے نزول سے قبل بھی اس معاشرہ کی مستورات میں آپ ممتاز مقام کی حامل تھیں۔ اور آیتِ پردہ کے نزول کے بعد تو اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ حضور علیہ السلام خواتین کو نصائح فرماتے، انہیں بیعت فرماتے لیکن یہ کام اس طرح ہوتے کہ درمیان میں پردہ حائل ہوتا اور جب ایک موقعہ پر ایک نابینا صحابی عبداللہ بن اُم مکتومؓ تشریف لائے تو اپنی ازواج مطہرات کو پس پردہ بھیج دیا۔ اور فرمایا کہ درست ہے کہ وہ نابینا ہیں لیکن تم تو بینا ہو۔ آپ کے بعد بھی یہی سلسلہ رہا۔ صحابہ علیہم السلام والرضوان علم و معرفت کے اس بحرِ بے کراں سے برابر استفادہ کرتے رہے اور یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہا جب تک ام المومنین دنیا میں تشریف فرما رہیں۔ اللہ تعالیٰ ارباب صدق و صفا پر اپنی بے پایاں رحمتیں نازل فرمائے۔ آمین!

دنیا کی بے ثباتی اور اس سے عدم تعلق :

(۱۷) عَنْ اَبِیْ وَائِلٍ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ جَاءَ مُعَاوِیَۃُ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اِلٰی اَبِیْ ھَاشِمِ بْنِ عُتْبَۃَ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وَھُوَ مَرِیْضٌ " یَعُوْدُہٗ " فَوَجَدَہٗ یَبْکِیْ فَقَالَ یَا خَالُ مَا یُبْکِیْکَ اَوَجَعٌ یُشْئِزُکَ اَمْ حِرْصٌ عَلَی الدُّنْیَا فَقَالَ کَلَّا وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ واصحابہ وسلم عَھِدَ اِلَیْنَا عَھْدًا لَّمْ نَاْخُذْ بِہٖ قَالَ وَمَا ذَاکَ قَالَ سَمِعْتُہٗ یَقُوْلُ اِنَّمَا یَکْفِیْ مِنْ جَمْعِ الْمَالِ خَادِمٌ " وَّمَرْکَبٌ " فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَاَجِدُنِیْ اَلْیَوْمَ قَدْ جَمَعْتُ۔

(رواہ الترمذی) (رواہ الترغیب والترہیب ج ۴ صفحہ ۱۲۴)

ترجمہ: حضرت ابووائل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت ابوہاشم بن عتبہؓ کے پاس تشریف لائے۔ وہ بیمار تھے۔ آپ کا مقصد ان کی تیمارداری تھا۔ انہوں نے دیکھا کہ وہ رو رہے ہیں۔ حضرت معاویہؓ نے رونے کی وجہ دریافت کی اور پوچھا کہ کوئی درد یا اس قسم کی تکلیف آپ کو بے چین کیے ہوئے ہے یا دنیا چھوڑنے کا غم پریشان کر رہا ہے۔ انہوں نے کہا کہ جناب سرورِ کائنات ﷺ نے ہم سے ایک عہد لیا تھا افسوس کہ ہم اس پر قائم نہ رہ سکے۔ انہوں نے پوچھا کہ وہ کیا؟ انہوں نے کہا کہ میں نے آپ سے سنا تھا کہ دنیوی مال کے معاملہ میں ایک خادم اور اللہ کی راہ ایک سواری تمہارے لئے کافی ہے لیکن میرا جمع شدہ سرمایہ آج مجھے نظر آ رہا ہے میں جس وجہ سے رو رہا ہوں کہ میں نے اس عہد کی پاسداری نہ کی۔ حضرات صحابہ علیہم الرضوان نے سرورِ کائنات علیہ السلام کی صحبت میں رہ کر جس طرح اپنے آپ کو فقر و استغناء اور زہد و قناعت کے رنگ میں رنگا اس کا اندازہ مندرجہ بالا روایت سے بخوبی ہوسکتا ہے کہ کس طرح ایک صحابی اپنی بیماری کے دوران بلک بلک کر رو رہا ہے اور اپنے گھر کا معمولی سرمایہ اور سامان اس پر بار ہو رہا ہے کیونکہ اس کا خیال یہ ہے کہ سرکار ﷺ کی تعلیم کا تقاضہ یہ تھا کہ ایسا نہ ہوتا۔

انبیاء علیہم السلام کی تعلیم میں جن چیزوں کو بنیادی اہمیت دی گئی ہے ان میں دنیا کی بے ثباتی اور اس سے عدم تعلق بھی ہے۔ انبیاء علیہم السلام نے اپنے نام لیواؤں کو آخرت کی زندگی کے لئے تیار کیا اور اپنے عمل و کردار سے ان کے سامنے ایسا نمونہ پیش کیا کہ گویا وہ لوگ دنیا سے لاتعلق ہی ہو گئے۔ لیکن اگر کبھی خالقِ کائنات نے اپنے فضل و احسان سے انہیں سرفراز فرمایا اور مال و ثروت کی شکل میں ان پر نعمتوں کا فیضان ہوا تو انہوں نے اپنے آپ کو اس کا مالک نہیں بلکہ امین گردانا اور ان ہدایاتِ ربانی پر عمل کیا جو اس معاملہ میں مال دینے والے کی تھیں۔ قرآن مجید نے ایک سوال کے جواب میں "العفو" کی تعلیم دی تھی جس کا مطلب یہ تھا کہ جو زائد سرمایہ ہے وہ راہِ خدا میں لگا دو۔ اس کے علاوہ قرآن عزیز نے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لئے" مما تحبون "خرچ کرنے کی تعلیم دی۔ جس کا مطلب اپنی محبوب ترین اشیاء کا راہِ باری تعالیٰ میں صرف کرنا ہے۔ قرآن کی متعدد آیات سرورِ کائنات علیہ السلام کے ان گنت ارشادات اور تاریخ و سیر کے صفحات پر بکھرے ہوئے لاتعداد واقعات ہمارے اس دعوٰی کی تائید میں موجود ہیں کہ ان بندگانِ عشق نے کبھی دنیا میں سیم و زر کو اہمیت نہیں دی۔ ان کے نزدیک

اہمیت تھی تو عبادت و بندگی کی' اخلاص وتقویٰ کی' خدمت خلق اور شفقت علی الخلوق کی۔ ایثار وقربانی ان کی زندگی میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ جس نبی نے "فقر" کو اپنا فخر ارشاد فرمایا تھا وہ اسی کے نام لیوا تھے اور اسی کے سچے امتی تھے' اسی چیز کو اپنا سرمایہ تصور کرتے تھے' اور یہی ان کی زندگی کی معراج تھی مال آیا تو راہ خدا میں لٹا دیا اور نہ ہوا تو صبر وقناعت سے زندگی گزار دی۔ آج کچھ لوگ ان ارباب صدق وصفا کے متعلق جولن ترانیاں ہانکتے اور ان کے متعلق افسانہ گوئی کے انداز میں کہانیاں گھڑتے ہیں انہیں اس قسم کی روایات کو اپنے ذہن رکھنا چاہیے۔۔ اللہ کے نبی علیہ السلام نے جو فرمایا صحابہ علیہم الرضوان نے اس پر عمل کیا۔ اور اگر کبھی اتفاقاً چند سکے ان کے یہاں جمع ہو گئے تو انہوں نے رو رو کر اپنے آپکو ہلکا کر لیا۔ اور معلوم ہے کہ اللہ کے خوف سے بہنے والے آنسو کبھی رائیگاں نہیں جاتے۔ فرضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

دنیاوی مال ودولت سراسر مصیبت وآزمائش ہے :

۱۸۔ عَنْ اَبِیْ عَبدربہ قَالَ سَمِعْتُ مُعَاوِیَۃَ بْنَ اَبِیْ سُفْیَانْ رضی اللہ تعالیٰ عنہما یَقُوْلُ عَلیٰ ھٰذَا الْمِنبَرِ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللہ صلی اللہ تَعالیٰ علیہ واصحابہ وسلم یَقُوْلُ اِنَّ مَا بَقِیَ مِنَ الدُّنْیَا بَلَاءٌ وَّ فِتْنَۃٌ وَ اِنَّمَا مَثَلُ عَمَلِ اَحَدِکُمْ کَمَثَلِ الْوِعَاءِ اِذَا طَابَ اَعْلَاہُ طَابَ اَسْفَلُہٗ وَاِذَا خَبُثَ اَعْلَاہُ خَبُثَ اَسْفَلُہٗ. (کتاب الزہد والرقائق لابن المبارک ص ۱۲۲)

ترجمہ: حضرت ابو عبدربہؒ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت معاویہؓ سے سنا آپ اس منبر پر ارشاد فرماتے تھے کہ میں نے حضرت نبی کریم ﷺ فخرِ موجودات' شافع روز محشر قائد انسانیت اور امام ھدیٰ محمد رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ ﷺ فرماتے تھے کہ دنیا سے جو باقی رہ جاتا ہے وہ سراسر مصیبت اور آزمائش ہے۔ اور تم میں سے ہر شخص کے عمل کی مثال ایسی ہے جیسے برتن۔ جب اس کا اوپر کا حصہ پاک وطیب ہوتا ہے تو نچلا حصہ بھی ایسا ہی ہوتا ہے اور اعلیٰ حصہ ناپاک ہوتا ہے تو نچلے حصہ کی بھی وہی حیثیت ہوتی ہے۔

اس حدیث میں دو باتوں کا ذکر ہے ایک تو اس دنیوی مال کا جو انسان چھوڑ کر مرے۔ اسے نبی کریم علیہ السلام نے بلاء اور فتنہ سے تعبیر فرمایا ہے اور انسانی اعمال کو برتن سے تشبیہ دی گئی ہے۔
جہاں تک دنیوی مال کا تعلق ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ سراسر آزمائش اور فتنہ کا باعث ہے قرآن عزیز

نے واضح کیا ہے۔ انما اموالکم و اولادکم فتنة.

یہ آیت سورۃ انفال اور سورۃ تغابن میں موجود ہے اور اس میں بڑی وضاحت سے مال اور اولاد کو فتنہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔۔ ہاں انسان مال کے حصول میں دیانت داری اور صحیح ذرائع کو اپنائے اور اللہ تعالیٰ کی مرضی ومشیت کے مطابق اسے خرچ کرے تو ایسا مال یقیناً ''اللہ کے فضل'' میں شمار ہوتا ہے اور خیر و برکت کا باعث ہوتا ہے لیکن اگر حصول دولت کے ذرائع غلط اور اس کا صرف بھی غلط ہو تو ایسی دولت قرآن وسنت کی روشنی میں انسان کے زوال وادبار اور دنیا و آخرت میں اس کی تباہی و بربادی کا باعث ہوتا ہے۔۔۔ رہ گیا یہ قصہ کہ آدمی مر گیا اور دولت چھوڑ گیا۔ تو یہاں اس کو بطور خاص فتنہ وآزمائش کہا گیا ہے۔ اور آج کے دور میں کم از کم اس کو سمجھنا مشکل نہیں۔ انسان اپنی زندگی میں اولاد کی صحیح تعلیم و تربیت پر توجہ نہیں دیتا جس سے وہ اولاد معاشرہ کے لئے ناسور بن کر رہ جاتی ہے۔ وہ معاشرے میں فساد پھیلاتی، گڑبڑ کرتی اور اپنے بڑوں کا نام بھی رسوا کرتی ہے۔ سرورِ کائنات علیہ السلام نے واضح طور پر فرمایا ہے کہ انسان کے مرنے کے بعد جو چیزیں اس کے لئے خیر کا ذریعہ بنتی ہیں ان میں اس کی ایک صالح اولاد بھی ہے جو مرنے کے بعد اس کے لئے دعا کر کے ایصال ثواب کا اہتمام کرتی ہے، اور آپ دیکھیں کہ اچھی اولاد کے اچھے اعمال اور اس کی اچھی حرکات کو دیکھ کر ہر آدمی اس کی تعریف کرے گا اور اس کے والدین کو خواہ مخواہ یاد کرے گا اور کہے گا کہ اچھوں کی اولاد ٹھہری لیکن تعلیم تربیت سے محروم اولاد نہ صرف مرے ہوئے والدین کا نام رسوا کرے گی بلکہ ان کی چھوڑی ہوئی دولت تباہ و برباد کرے گی اور یہ روزمرہ کے مشاہدات ہیں کہ اس چھوڑی ہوئی دولتِ والدین پر لڑتے، جھگڑتے اور قتل تک ہو جاتے ہیں اور مقدمہ بازی تو روزمرہ کا مشاہدہ ہے۔

دوسری بات انسانی اعمال کی ہے جو ایک برتن کی مانند ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایک برتن میں ڈالی ہوئی چیز ایک جیسی ہوگی یہ تو ممکن نہیں کہ برتن میں پانی بھی ڈالا جائے اور اس کے ساتھ شراب یا پیشاب جیسی ناپاک چیز کے قطرات بھی ڈال دیئے جائیں اس کا اوپر اور نیچے کا حصہ یکساں ہوتے ہیں اندر اور باہر میں فرق نہیں ہوتا اندر پاک صاف ہے تو باہر بھی پاک صاف ہوگا۔ اور معاملہ برعکس ہے تو پھر ظاہر و باطن کا معاملہ ایک جیسا ہوگا۔ یہی حال انسان کا ہے اس کا باطن اور اس کا قلب نور ایمان سے منور وآراستہ ہے تو اس کے اثرات اعضاء وجوارح سے ظاہر ہوں گے اور اندر خباثتیں بھری ہیں تو ظاہر اعمال

سے بھلائی کی توقع عبث ہے۔

حضور علیہ السلام نے دل کو اتنی جو اہمیت دی ہے اور اس کی درستگی اور بگاڑ کو ساری انسانی مشینری کے بگاڑ اور درستی کا باعث قرار دیا۔ تو اس کی یہ وجہ ہے کہ انسانی قلوب فی الحقیقت وہ منبع برق ہیں جن سے سارا ماحول روشن ومنور ہوتا ہے اگر جنریٹر خراب ہو جائے تو سارے ماحول پر تاریکی چھا جائے گی۔ ان واضح حقائق کی طرف سرکار دو عالم علیہ السلام نے توجہ دلائی اے کاش! فہم صحیح نصیب ہو اور عمل کا جذبہ بیدار ہو۔

یوم عاشوراء کا روزہ :

(۱۹) عَنْ حَمِیْد بن عبدالرحمٰن رحمہ اللہ تعالیٰ اَنَّہٗ سَمِعَ مُعَاوِیَۃَ بْنَ اَبِیْ سُفْیَانَ یَوْمَ عَاشُوْرَاءَ عَامَ حج عَلَی الْمِنْبَرِ یَقُوْلُ یَا اَھْلَ الْمَدِیْنَۃِ اَیْنَ عُلَمَاءُ کُمْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللہِ صلی اللہ تعالیٰ علیہ واصحابہ وسلم یَقُوْلُ ھٰذَا یَوْمُ عَاشُوْرَاءَ وَلَمْ یَکْتُبِ اللہُ عَلَیْکُمْ صِیَامَہٗ وَاَنَا صَائِمٌ" فَمَنْ شَاءَ فَلْیَصُمْ وَمَنْ شَاءَ فَلْیُفْطِرْ. (بخاری ج ۱ ص ۲۶۸)

حمید بن عبدالرحمٰن رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت امیر المومنین سیّدنا معاویہؓ سے سنا انہوں نے حج کے سال عاشوراء کے دن منبر پر فرمایا۔ اے اہل مدینہ! تمہارے علماء کہاں ہیں؟ میں نے سرور کائنات سے خود سنا آپ ﷺ ارشاد فرماتے تھے کہ یہ عاشوراء کا دن ہے اللہ تعالیٰ نے تم پر اس کا روزہ فرض تو نہیں کیا تاہم میں روزہ سے ہوں۔ بس جو چاہے روزہ رکھے اور جو چاہے نہ رکھے۔ حدیث کی سب سے مشہور اور صحیح کتاب بخاری شریف کی روایت اور اس کا ترجمہ آپ نے ملاحظہ فرمایا۔ یوم عاشوراء محرم الحرام کی دسویں دن کو کہا جاتا ہے۔ ابتدائے آفرینش سے سال کے مہینے بارہ ہی رہے ہیں جن میں محرم الحرام کو بوجوہ اہمیت حاصل ہے۔ قرآن کریم نے جن چار مہینوں کو "اشھر حرم" یعنی حرمت والے مہینے کہا ان میں ایک محرم بھی ہے حتّٰی کہ سرور کائنات علیہ السلام کی بعثت سے قبل اہل کفر بھی محرم سمیت چار مہینوں کو اسی حیثیت میں تسلیم کرتے اور ان کا احترام بجا لاتے۔ اسلامی تاریخ میں اس مہینہ کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ حضور علیہ السلام کی مراد خلیفہ عادل وبرحق حضرت عمر فاروق اعظمؓ کی شہادت اس مہینہ کی پہلی تاریخ کو ہوئی جس کو عالم اسلام نے شدّت سے

محسوس کیا اور حضرت علیؓ سمیت بڑے بڑے صحابہؓ اس واقعہ پر شدت غم سے پریشان ہو گئے۔ اہل کفر ونفاق اور یہودیت و مجوسیت کے علمبرداروں نے اس واقعہ پر خوشیاں منائیں کیونکہ خلیفہ ثانی کا کردار اور ان کی شمشیر خاراشگاف ان لوگوں کے لئے سوہانِ روح تھی اور اس عبقری اور نابغہ انسان کی موجودگی میں انہیں فتنہ سامانیوں کا موقع نہیں ملتا تھا۔ نزولِ وحی سے قبل بھی جیسا کہ عرض کیا یہ مہینہ محترم تھا اور اس کی دسویں تاریخ بطور خاص بڑی اہم تھی کہ اس میں بڑے بڑے اہم واقعات رونما ہوئے تھے محدث کبیر علامہ عینی حنفی قدس سرہٗ کی تصریحات کے مطابق برگزیدہ انبیاء علیہم السلام کے واقعات اس تاریخ سے متعلق ہیں اور قیامت بھی اسی دن قائم ہوگی۔ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہود و مجوس کی مشترکہ سازش سے اسی تاریخ کو شہید ہوئے جب سرور کائنات علیہ السلام مدینہ ہجرت کر کے آئے تو معلوم ہوا کہ یہود اس تاریخ کو روزہ رکھتے ہیں۔ آپ نے معلوم کیا تو پتا چلا کہ فرعونی استبداد سے بنی اسرائیل کی نجات اور فرعون اور اس کے لشکر کی غرقابی اسی تاریخ کو ہوئی اس لئے شکرانہ کے طور پر اس دن کا روزہ رکھا جاتا ہے۔ پیغمبرِ اسلام ﷺ نے اپنے نبی بھائی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے متعلق فرمایا کہ ہمارا ان سے زیادہ تعلق ہے کیونکہ آپ دونوں نبی اور صاحب وحی تھے ایک فکر اور مشن کے علمبردار تھے جبکہ اس دور کے یہود موسوی تعلیم سے منحرف ہو چکے تھے اس لئے انہیں تو کوئی حق نہیں پہنچتا تھا۔ بہر حال آپ نے روزہ رکھا۔ صحابہ علیہم الرضوان کو ترغیب دی' بلکہ آنے والے سال میں ۱۰ محرم کے ساتھ ۹ کا روزہ رکھنے کی ترغیب دی تاکہ یہود سے امتیاز ہو جائے۔ اس وقت سے لے کر آج تک امت کے ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں افراد اپنے پیارے نبی علیہ السلام کے مقدس عمل کے اتباع میں ان ایام مبارکہ میں اپنی بھوک پیاس کا نذرانہ اپنے رب کے حضور پیش کرتے ہیں اور اس کی رحمتوں کے مستحق ہوتے ہیں۔ اس دن کے متعلق احادیث میں یہ بھی آیا ہے کہ جو شخص اس دن کھانے پینے میں اپنے اہل وعیال پر فراخی کرے گا اللہ تعالیٰ سارے سال اس پر فراخی کا دروازہ کھولے رکھیں گے (او کما قال علیہ السلام) بہر حال حضرت معاویہؓ جیسے بیدار مغز اور حضور علیہ السلام کے محبوب صحابیؓ نے اسی حقیقت کی طرف توجہ دلائی تاکہ افراط وتفریط سے بچ کر اسوہ کو اپنائیں۔ جو رکھ سکے وہ روزہ رکھ لے۔ جس کے لئے ممکن نہ ہو وہ نہ رکھے۔ اللّٰھم وفقنا لما تحبّ وترضیٰ۔

حضرت علیؓ حضرت معاویہؓ کی نظر میں :

(۲۰) اخرج الکلا بازی اَنَّ رَجُلًا سَأَلَ مُعَاوِیَةَ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عَنْ مَّسْئَلَةٍ فَقَالَ سَلْ عَلِیًّا هُوَ اَعْلَمُ مِنِّی فَقَالَ اُرِیْدُ جَوَابَکَ قَالَ وَیحاأَنَّکَ کَرِهْتَ رَجُلًا کَانَ رَسُوْلُ اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ واصحابہ وسلم یَعِزُّهُ بِالْعِلْمِ عَزًّا وَقَدْ کَانَ اَکَابِرُ الصَّحبِ یَعْتَرِفُوْنَ لَهٗ بِذَالِکَ وَکَانَ عُمَرُ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) یَسْأَلُهٗ عَمَّا اَشْکَلَ عَلَیْهِ.

(فیض القدیر ص ۴۶ ج ۳)

ترجمہ: ایک شخص نے حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ سے کسی مسئلہ کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے اسے ہدایت فرمائی کہ تم حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے مسئلہ پوچھو۔ سائل نے عرض کیا کہ میں آپ کا جواب چاہتا ہوں اور پسند کرتا ہوں۔۔ آپ نے فرمایا کہ تیرا برا ہو تو ایسے شخص کو ناپسند کرتا ہے جس کی عزت حضور علیہ السلام اس کے علم کی وجہ سے کرتے تھے۔ اور بڑے بڑے صحابہؓ ان کی اس خوبی کے معترف تھے اور حضرت عمرؓ مشکل ترین مسائل انہی سے دریافت فرماتے۔

صحابہ علیہم الرضوان کی عظمت و بزرگی پر قرآن کی دسیوں آیات اور سرورِ کائنات علیہ السلام کے ان گنت ارشادات شاہد ہیں۔ قرآن نے انہیں '' اشداء علی الکفار رحماء بینھم '' فرمایا اور واقعہ یہ ہے کہ ان کی عملی زندگیاں اسی حقیقت کا مظہر تھیں۔ تاہم بعض واقعات ان حضرات کے یہاں اس قسم کے پیش آئے جنہیں دیکھ سن کر ایک عام آدمی پریشان سا ہو جاتا ہے۔ اس قسم کے واقعات میں حضور علیہ السلام کے داماد، شہید کوفہ، حضرت علیؓ اور آپ کے ''صاحب سر'' کاتب وحی حضرت معاویہؓ کا باہمی اختلاف بھی ہے۔ اس اختلاف کا انکار کسی طرح ممکن نہیں، اختلاف ہوا اور ضرور ہوا، اور اس اختلاف نے خاصی سنگین صورت اختیار کر لی لیکن آپ دیکھیں اختلاف کے باوجود کتنا احترام ہے اور دوسرے کے لئے دل میں کتنی قدر و منزلت ہے کہ سائل حضرت معاویہؓ سے مسئلہ پوچھتا ہے وہ یقیناً مسئلہ بتا سکتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں بھی علم کی دولت سے سرفراز فرمایا تھا۔ انہیں بھی نبی پاک کی صحبت سے مشرف فرمایا تھا۔ وحی کی کتاب کا اعزاز انہیں حاصل ہوا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ جو ''حبر امت'' اور ''ترجمان القرآن'' تھے ان کا حضرت معاویہؓ سے متعلق اعتراف موجود ہے کہ وہ ''فقیہ'' تھے لیکن آپ

نے سائل کی اصلاح کی غرض سے اور ان حالات کے پیش نظر اسے توجہ دلائی کہ اس علمی دنیا میں عظیم شخصیت حضرت علیؓ کی ہے۔ حضور علیہ السلام کے یہاں انہیں ان کے علمی شرف ومجد کی بناء پر عزت حاصل تھی۔ صحابہ علیہم الرضوان میں سے نامور شخصیتیں ان کی اس خوبی کی معترف تھیں اور حضرت عمر جیسے عظیم وجلیل صحابیؓ اور خلیفہ راشد وعادل بڑے مشکل اور اہم ترین مسائل میں ان سے رجوع فرماتے وہ یقیناً اس بات کے مستحق ہیں کہ مسئلہ ان سے پوچھا جائے۔ حضرت علیؓ کی اس خوبی اور ان کی علمی عظمت ایک مسلّم حقیقت ہے اور اسی خوبی کے پیش نظر انہیں " حلال المعاقد " کہا جاتا تھا۔ رہ گیا مشاجرات صحابہؓ کا معاملہ، تو اس سلسلہ میں صحیح اور انسب بات وہی ہے جو نامور دینی شخصیات سے منقول ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ہماری تلواروں کو ان کے خون سے محفوظ رکھا تو ہمیں اپنی زبانوں کو بھی محفوظ رکھنا چاہیے۔ بات واضح اور صاف ہے کہ اختلاف ہوا جس کا بنیادی سبب حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے خلیفہ راشد وعادل اور مظلوم کی مظلومانہ شہادت تھی۔ کسی صحابی کا اس میں کوئی عمل دخل نہیں تھا وہ حضرات اس سے بری الذمہ تھے اس کی تمام تر ذمہ داری ان لوگوں پر عائد ہوتی ہے جو یہودیت کا چربہ تھے اور جن کے سازشی ذہن مجوسیت کے خمیر سے اٹھے تھے۔ امام مظلوم کی شہادت کے المناک حادثہ کے بعد ان کے قصاص کے مسئلہ پر صورت حال الجھی اور اختلافات کا قضیہ سامنے آیا۔

امت کے بعد کے افراد جنہیں اللہ تعالیٰ نے ذہن کی سلامتی سے سرفراز فرمایا تھا ہمیشہ ان واقعات پر نقد وجرح سے گریز کیا اور احتیاط کا رویہ اختیار کیا۔ صبح قیامت میں ہر شخص سے جو سوال ہوگا وہ اس کے ایمان کا ہوگا۔ اس بات کا ہوگا کہ اعمال صالحہ کس حد تک پورے کیے اور منکرات سے کس حد تک اپنے آپ کو بچایا؟ کوئی کیا تھا اور کیا نہیں تھا؟ اس کا سوال ظاہر ہے کسی سے نہیں ہوگا۔ ہاں انبیاء علیہم السلام میں سے کسی بھی شخصیت پر ایمان نہ لانا یا ان کی توہین وتنقیص کرنا موجب ہلاکت وبربادی ہے۔ کیونکہ ان سے عقیدت اور محبت کا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے ہمیں پابند کیا ہے۔ یہی صحیح وسالم مسلک ہے اور اسی کے مطابق زندگی گزارنا باعث نجات!

حضور ﷺ کی ایک دعا :

(۲۱) حدثنا عبداللہ .... قَال معاویۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عَلَی المِنبَرِ اَللّٰھُمَّ

لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَیْتَ وَلَا مُعْطِیَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا یَنْفَعُ ذَوالْجَدِّ مِنْکَ الْجَدُّ مَنْ یُّرِدِ اللّٰہُ بِہٖ خَیْرًا یُفَقِّھْہُ فِی الدِّیْنِ سَمِعْتُ ھٰؤُلَاءِ الْکَلِمَاتِ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ واصحابہ وسلم عَلٰی ھٰذَا الْمِنْبَرِ ۔ (مسند احمد ص ۹۳ ج ۴)

ترجمہ: حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منبر پر (خطبہ کے دوران یہ الفاظ) اللھم لا مانع لما اعطیت الخ .... دہرائے اللھم لا مانع لما اعطیت.......... فی الدین (ان کا ترجمہ ہے کہ اے اللہ! جس کو تو کوئی چیز عنایت کرتا اور بخشتا ہے اس سے اس نعمت کو کوئی روک نہیں سکتا اور جسے تو نہ دے اسے کوئی دینے والا نہیں۔ جس کی محنت تیری طرف سے بار آور نہ ہو اس کی محنت اسے کوئی نفع نہیں دے سکتی۔ جسے اللہ تعالیٰ محنت و بھلائی سے سرفراز فرمانا چاہتے ہیں اسے دین کی سمجھ اور فہم عطا فرما دیتے ہیں) یہ کلمات دہرانے کے بعد ارشاد فرمایا کہ" میں نے یہ کلمات رسول اللہ ﷺ سے اسی منبر پر سُنے۔ حضرت معاویہؓ کے شرف کے لئے اتنی بات کافی ہے کہ وہ صحابی ہیں۔ ان کے فضائل کمالات کا ایک طویل سلسلہ ہے جس سے بعض باتیں اس سے قبل اور بعض روایات کے ضمن میں پیش کی جا چکی ہیں۔ ایک شخص جس کو سرور کائنات کی صحبت اور رفاقت نصیب رہی اس نے آقائے مدنی ﷺ کی امامت میں زندگی کی متعدد نمازیں پڑھی ہوں گی اور آپ کے ساتھ کئی جہاد کئے ہوں گے اور اجتماعی اور انفرادی طور پر آپ کی زبان مبارکہ سے کئی ارشادات سنے ہوں گے۔ رحمت دو عالم ﷺ نے مسجد نبوی ﷺ کے منبر پر علاوہ خطبہ جمعہ اور دوسرے مواقع پر بھی متعدد خطبات ارشاد فرمائے اور جب کسی معاملہ میں کوئی ہدایت' کوئی نصیحت کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی آپ منبر پر تشریف لاتے اللہ تعالیٰ کی حمد ثنا بیان فرماتے اور اس کے بعد جو مقصد ہوتا اس کا اظہار فرماتے۔ محدثین نے آپ کے متعدد خطبات مختلف مواقع کے ذکر فرمائے اور بعض علماء نے اس سلسلہ میں مستقل کتابیں تصنیف کی ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ جس طرح آپ بعض کمالات میں اپنی مثال آپ تھے اور اللہ کی مخلوق میں کوئی آپ کا ہمسر نہ تھا اسی طرح خطابت میں بھی آپ کی شان بہت بلند تھی۔ یہ خطبات مختلف مواقع پر مختلف ضرورتوں کے تحت ارشاد فرمائے گئے کبھی اس کا داعیہ جہاد ہوتا تو آپ جہاد کی فضیلت' اللہ کی راہ میں نکلنے کا ثواب اتنے پُر جوش انداز میں بیان فرماتے کہ لوگوں کی رگوں میں خون کی جگہ آگ کے شرارے دوڑنے لگتے اور مسلمان اللہ کی تلوار بن کر کفر کی صفوں پر جھپٹ پڑتے' کبھی کسی ناگہانی آفت' سورج

گرہن، چاند گرہن، بارش، آندھی وغیرہ پر کسی قسم کی ضرورت محسوس ہوتی تو آپ جس طرح عبدیت و بندگی اور عاجزی وانکساری سے خطبہ دیتے اس سے نہ صرف آپ کی آنکھیں آنسوؤں سے تر بتر ہو جاتیں بلکہ سامعین بھی گہرا اثر قبول کرتے' کبھی انفاق فی سبیل اللہ کے لئے خطبہ کی ضرورت محسوس ہوتی تو مال ودولت کی بے ثباتی کا نقشہ اس انداز سے کھینچا جاتا کہ لوگوں کی نظر میں مال ودولت کی بے ثباتی الم نشرح ہو جاتی اور لوگ اللہ کے دین کے لئے سب کچھ لٹانے پر آمادہ ہو جاتے۔ الغرض آپ کے خطبات مختصر الفاظ میں نبوی اعجاز کا شاہکار ہوتے۔

جن جملوں کا حضرت معاویہؓ کی اس روایت میں ذکر ہے وہ چونکہ منبر پر ارشاد فرمائے گئے اس لئے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ یہ کسی خطبہ کا حصہ ہوں گے اور اس خطبہ کا پس منظر کچھ ایسا نظر آتا ہے کہ آپ نے اللہ کی عظمت و کبریائی اس کے جاہ وجلال اور نفع ونقصان کے واحد مالک ومختار ہونے کی طرف پورے اہتمام سے توجہ دلائی اور اس طرح ایک بندۂ کامل کی حیثیت سے خود اپنے آقا ومولا اور مختار ودا تا کے حضور عرض کیا کہ اے اللہ! بس دینے والی تیری ہی ذات ہے تو جسے دے اور جو کچھ دے تو کون ہے جو رکاوٹ بن سکے وہ جو کہاوت ہے کہ ''رب دے تو چھپڑ پھاڑ کر دے'' ہمارے ہاں اس نبوی جملہ کی بہترین ترجمانی ہے۔ کون اس ذات اقدس کا ہاتھ روک سکتا ہے وہ بے نیاز ذات اگر دینے پر آئے تو جس کو چاہے اور جس طرح چاہے نواز دے۔ لیکن اے مولائے قدوس! اور اے داتا و مالک! جب تو ہی نہ دینا چاہے تو کون ہے جو دستگیری کرے تیرے بغیر کوئی لجپال نہیں تو لجپال اور دستگیر و مشکل کشا ہے اور فرمایا کہ کسی کو اپنی محنت پر ناز وغرور نہیں ہونا چاہیے کیونکہ مؤثر حقیقی اللہ کی ذات ہے وہ چاہے تو کسی کی محنت ٹھکانے لگے نہیں تو کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔ (ہاں یہ الگ بات ہے کہ اس محنت کا صلہ کسی دوسرے انداز سے مل جائے یا آخرت کے لئے وہ ذخیرہ ہو جائے) اس کے بعد کا جو جملہ ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ بھلائی سے سرفراز فرمانا چاہیں تو اسے دین کی سمجھ عطا فرما دیتے ہیں اس پر اس سے قبل ایک حدیث میں تفصیلی گفتگو ہو چکی ہے۔

حریت ومساوات :

۲۲۔ عَنْ معاویة رضی اللہ تعالیٰ عنه قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه واصحابه

و سلم مَنْ اَحَبَّ اَنْ یَتَمَثَّلَ لَهُ الرِّجَالُ قِیَامًا فَلْیَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ .(رواہ ابو داؤد و باسناد صحیح والترمذی وقال حدیث حسن ۔۔۔۔(الترغیب والترہیب ص۲۶۹ ج۳)

اسلام جب دنیا میں آیا تو ساری کائنات جس بے راہ روی کا شکار تھی اس کا ذکر بے فائدہ ہے جن لوگوں کی ذرا بھی تاریخ پر نظر ہے وہ جانتے ہیں کہ انسانیت کا جامہ تار تار تھا اس کی بے عقیدگی بے انتہاء کو پہنچ چکی تھی ۔ اخلاقی انحطاط اور زوال اس سٹیج پر پہنچ چکا تھا کہ مزید تنزل کی توقع نہ کی جاسکتی تھی ۔ سرورِ کائنات علیہ السلام ''ہادی سبل'' بن کر تشریف لائے ۔ آپ ﷺ نے ایسی معاشرہ کی کایا پلٹ دی کہ ایک مسلمان گورنر کے بیٹے نے ایک آدمی جس کے متعلق لکھا ہے کہ وہ غیر مسلم تھا کے بیٹے کو تھپڑ مار دیا جب مقدمہ بارگاہِ رسالت کے تربیت یافتہ امام و امیر حضرت عمر فاروقؓ کی بارگاہ میں پہنچا تو آپ نے پورا پورا انصاف کیا ' جیسی کچھ زیادتی گورنر کے فرزند نے کی تھی اس کا بدلہ تو اسے بھگتنا پڑا ۔ ساتھ آپ نے ایک ایسا جملہ ارشاد فرمایا جو انسانی حریت و مساوات کی دنیا میں آج تک اپنی مثال آپ ہے اور دنیا کا کوئی بڑے سے بڑا نام نہاد ''انقلابی'' اس طرح کی بات نہیں کہہ سکا نہ ہی کسی کو ایسے عمل کی توفیق ہوئی آپ نے فرمایا: متی استعبدتمّ النّاسَ وقد ولد تهم اُمّها تهم احرارا .... تم نے لوگوں کو کب سے غلام بنالیا ہے؟ حالانکہ ان کی ماؤں نے ان کو آزاد جنا تھا ۔

جناب نبی کریم علیہ السلام کے فیضِ تربیت سے لوگوں نے جہاد اور بہت کچھ سیکھا اور وہ اسلامی معاشرہ کے بہترین افراد بن گئے وہاں ان کا اخلاقی کردار اتنا بلند تھا کہ باید وشاید؟ آج پوری امت اس ضابطہ کو تسلیم کرتی اور اس پر عقیدہ رکھتی ہے کہ وہ لوگ ''عدول'' تھے ۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے نبی ﷺ کی صحبت کے لئے چُنا تھا اور وہ اپنی دینی عظمت ' اخلاقی برتری اور جہاد فی سبیل اللہ کے پیش نظر اس بلند مقام پر فائز ہوئے کہ دنیا بھر کے اولیاء و اقطاب اس کے ہمسر بھی نہیں ہوسکتے جو بالکل آخری وقت میں مسلمان ہوا اور جسے صحابہؓ کی جماعت میں رسول ﷺ سے بہت کم استفادہ کا موقع ملا ۔ درج بالا حدیث اور اس جیسے متعدد ارشادات ہیں جن میں شرفِ انسانی سکھایا گیا ' حریت و مساوات کی تعلیم دی گئی ۔ دیکھیں ارشاد ہو رہا ہے کہ جس کا نفس امارہ اسی بات سے خوش ہوتا ہے کہ لوگ اس کے سامنے بت بن کر کھڑے رہیں تو اسے اپنا ٹھکانہ جہنم بنالینا چاہیے ۔ یہ ہے رسولِ عربی ﷺ کی تعلیم جس کے راوی ''صاحب سر'' حضرت معاویہؓ بن ابی سفیانؓ ہیں اور جسے حدیث کی دو معتبر کتابوں کے

عالی مرتبت مصنف حضرات نے نقل کیا ہے۔ اس آئینہ میں وہ لوگ اپنا چہرہ دیکھیں جو علم مشیخیت کے دعویدار ہیں اوران کا نفس اسی بات سے خوش ہوتا ہے کہ عوام ہمارے لئے سروقد کھڑے ہوں اور کھڑے رہیں۔ وہ لوگ جنہیں بخت واتفاق نے مختلف مادی اور دنیوی مناصب سے سرفراز کر دیا ہے ان کی بگڑی ہوئی ذہنیتوں کا ماتم نہیں کیونکہ وہ ایسے ہی ماحول میں پلے بڑھے ہیں جہاں 'انسان'' کا کوئی مقام نہیں جہاں عہدہ منصب اور دولت وثروت ہی سب کچھ ہے۔۔۔ ماتم ان لوگوں کا ہے جنہیں عرف عام میں دیندار کہا جاتا ہے ان کی دینداری کا محور یہی کچھ ہے کہ لوگ ہمارے غلام بن کر رہیں۔ ہمارے جوتے سنبھالیں ہمارے سامنے ایستادہ ہوں اور اسی حال میں رہیں۔۔ گویا .... ے

میرے ہاتھوں کے تراشے ہوئے پتھر کے صنم
آج بت خانے میں خدا بنے بیٹھے ہیں

والی بات ہوگئی۔

یادرکھیں یہ بات کسی طرح درست اور صحیح نہیں کہ اللہ کے نبی علیہ السلام نے ان باتوں سے لوگوں کوروکا'' جوواقعۃً بڑے ہوں بلکہ ان کے احترام ان سے عقیدت اوران کے ادب کی تعلیم دی لیکن حدود میں رہ کر۔۔ ایسے لوگوں کے اکرام کا حکم دیا لیکن ''اکرام'' کا مطلب اس غلو میں نہیں۔ حضور علیہ السلام کی خدمت میں آپ کے جانثار ساتھی حضرت صدیق اکبرؓ کے بوڑھے اور نحیف والد تشریف لائے (حضرت ابوقحافہؓ) تو آپ نے خودان کا استقبال کیا۔ بلکہ یوں بھی فرمایا کہ میں خودان سے مل لیتا۔۔ حقیقت یہ ہے کہ اس میں احترام اور ادب ہی کا سبق پڑھایا گیا ہے۔ اوراوپر کی روایت میں جوروکا جارہا ہے اورسختی سے' اس کا مطلب وہ'' نام نہاد احترام'' ہے جو اسلام کی روح کے منافی اور شرف انسانیت کی تذلیل ہے۔ خدا کرے کہ ہم اسلام کی ''معتدل تعلیم'' کے مطابق زندگی گزارسکیں۔

سونے چاندی کے برتنوں کے استعمال کی ممانعت :

(۲۳) عَنْ مُعَاوِيَةَ رضی اللہ تعالیٰ عنه قَالَ نَهىٰ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ تعالیٰ علیه و اصحابه و سلم عَنِ الشُّرْبِ فِيْ اٰنِيَةِ الذَّهَبِ وَالفِضَّةِ وَنَهىٰ عَنْ لُبْسِ الذَّهَبِ وَالْحَرِيْرِ وَ نَهىٰ عَنْ جُلُودِ النُّمُورِ اَنْ يُرْكَبَ عَلَيها وَ نَهىٰ عَنِ الْمُتْعَةِ وَنَهىٰ عَنْ تَشْدِيدِ البِنَاءِ .

(رواہ الطبرانی ص ۱۹۰ ج ۲)

حضرت معاویہؓ فرماتے ہیں کہ حضور رحمت دو عالم ﷺ نے ان چیزوں سے منع کیا سونے چاندی کے برتنوں میں پانی پینا' مرد کا سونا اور ریشم استعمال کرنا' چیتے کی کھال پر بیٹھنا' متعہ اور پختہ عمارتیں بنانا' اسلام کے پیغام سرمدی کے دنیا میں آنے سے پہلے دنیا میں ہر برائی موجود تھی اور خود " مکہ معظمہ" جہاں سرور عالم علیہ السلام مبعوث ہوئے تھے وہاں کی حالت تو بہت ہی ابتر تھی۔ اس سب سے زیادہ بگڑے ہوئے خطہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی کو بھیجا۔ آپ نے جو تکلیفیں برداشت کیں وہ بھی معلوم ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی عنایت اور آپ کی پیغمبرانہ استقامت سے ایسی کایا پلٹ ہوئی بقول کسے۔

خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مُردوں کو مسیحا کر دیا

وہ لوگ بدعقیدہ تھے' اعمال خیر سے محروم تھے۔ فضول خرچی' اسراف وتبذیر اور بے راہ روی جیسی چیزیں عام تھیں داعی اعظم' نبی رحمت علیہ السلام نے ان کی ایک ایک غلطی پر انہیں ٹوکا۔ لیکن اس ٹوکنے اور تنقید میں محبت اور پیار کا عنصر غالب تھا۔ اصلاح مقصود تھی' راہ راست پر لانا تھا اس لئے بڑے سے بڑے دشمن بھی رفتہ رفتہ اس ہادی برحق ﷺ کی طرف متوجہ ہو گئے انہیں اپنی غلطیوں کا احساس ہوا' ندامت میں ڈوب گئے اور اپنی زندگیاں اس رُخ پر ڈال لیں جو رخ سرور کائنات کا بتلایا ہوا تھا۔

اس حدیث میں سونے چاندی کے برتنوں کے استعمال سے روکا گیا ہے یہ اشیاء بندۂ مومن کو جنت میں نصیب ہوں گی لیکن تب جب اس نے اس دنیا کی محدود زندگی منشاءِ ربانی کے مطابق گزاری ہو ورنہ یہاں چند دن کی عارضی خوشی اور وہاں نہ ختم ہونے والا رونا' سونا چاندی کا استعمال عورت کے لئے درست ہے لیکن اس اہتمام کے ساتھ کہ زیورات کی باقاعدہ زکوٰۃ دی جائے ورنہ اسی نوعیت کے زیورات آگ سے بنا بنا کر متعلقہ اعضاء میں ڈالے جائیں گے اور اس سرمایہ کو تپا کر داغ دیئے جائیں گے۔ مرد کے لیے محض چاندی کی مختصر انگوٹھی ساڑھے چار ماشہ تک جائز ہے اور بس۔ اب بے احتیاطی بہت ہو رہی ہے لیکن ہے سنگین جرم! ان اشیاء کے برتنوں کا استعمال ملوک عجم کی خرمستیاں ہیں' اسلام کی روایتی سادگی کے منافی ہیں اور یہ تکبر وغرور اور عُجب کا باعث ہے۔ یہی حال ریشم کا مرد کے لئے ہے اس کا استعمال قطعاً ممنوع اور نادرست ہے۔ حضور علیہ السلام نے ریشم کی بعض مصنوعات لوگوں کے جسم پر دیکھیں تو روک دیا۔ چیتے اور اس نوع کے درندوں کی کھال کا استعمال' ان سے نشست گاہ بنانا وغیرہ منع

اور نا جائز ہے اس سے عجب پیدا ہوتا ہے درندگی کے جراثیم جنم لیتے ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے منع کیا' متعہ سے آپ نے روکا۔ جس کی مختصر تشریح مرد وعورت کا ایسا تعلق ہے جو مقررہ اجرت پر مقررہ وقت کے لئے ہو اس میں شدید قسم کی بداخلاقی اور جنسی انارکی ہے اور کوئی آسمانی مذہب اس خود ساختہ طریق کو پسند نہیں کرتا۔ فطرت انسانی سے محروم لوگ اور طبقات اسے پسند کریں یا آگے بڑھ کر اسے خیر کا باعث قرار دیں تو یہ زبردست قسم کی بے راہ روی ہے۔ انسانی فطرت اس کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔ آخری بات'' تشدید بنا'' سے ممانعت کی ہے جس میں آج ہر بڑا چھوٹا شامل ہے۔ لاکھوں کے سرمائے اینٹ مٹی گارے کی نذر ہو جاتے ہیں۔ ہر طرف اسی کا زور اور اسی کا چکر ہے۔ اس میں مسابقت کا جذبہ روز افزوں ہے اور ایک سے ایک بڑھ کر کوٹھی محل بنانے کی فکر کرتا ہے۔

رسول عربی علیہ السلام نے اس مصرف پر لٹنے والے سرمائے کو بدترین سرمایہ قرار دیا۔ ایک صحابیؓ کا قبہ نما مکان نظر آیا تو ناگواری کا اظہار فرمایا۔ انہوں نے گرا دیا اور منشاء رسالت کا لحاظ کیا۔ ارشاداتِ رسالت یہ ہیں اپنا عمل ہم دیکھیں اور پھر سوچیں کہ ہم کہاں جا رہے ہیں؟ اللہ تعالیٰ ہمیں نیکی کی توفیق دے۔ آمین!

صحابہ معیارِ حق ہیں :

(۲۴) عن معاویة رضی اللہ تعالیٰ عنه قَالَ قَامَ فِينَا رَسُولُ اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه واصحابه وسلم فَقَالَ آلا اِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُم مِّنْ اَهْلِ الكِتَابِ اِفتَرَقُو عَلیٰ ثِنتَينِ وَسَبْعِينَ مِلَّةً وَاِنَّ هٰذِا الأُ مَّة سَتَفْتَرِقُ عَلیٰ ثَلاثِ وَسَبْعِينَ 'ثِنْتَانِ وَسَبْعُونَ فِي النَارِ وَوَاحِدَة'' فِي الجَنَةِ وَهِيَ الْجَمَاعَةُ . (رواہ احمد الترغیب والترہیب ص۴۴ ج۱)

ترجمہ: حضرت معاویہؓ سے روایت ہے کہ سرورِ کائنات ﷺ ہمارے درمیان کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ یاد رکھو تم سے پہلے جو اہل کتاب تھے وہ ۷۲ گروہوں میں بٹ گئے اور یہ امت ۷۳ گروہوں میں بٹ جائے گی جس میں ۷۲ گروہ تو جہنم میں جائیں گے اور ایک جنت میں جائے گا۔ جنت میں جانے والا گروہ وہی اصل جماعت ہے۔ حضرت معاویہؓ سے مروی یہ روایت جو مسند احمد کے حوالہ سے نقل کی گئی ہے دوسرے صحابہ علیہم الرضوان سے حدیث کی اور کتابوں میں منقول ہے جسمیں پہلی امتوں کے درمیان

افتراق کا ذکر ہے اور ساتھ ہی ساتھ اس بات کا ذکر ہے کہ یہ امت بھی اس مصیبت عظمیٰ کا شکار ہو گی حتیٰ کہ ۷۳ گروہوں میں بٹ جائے گی۔ جنت جانیوالے گروہ کو سرور کائنات علیہ السلام نے ''جماعت'' کا نام دیا بعض روایات میں ہے کہ صحابہؓ نے جب اس ''جماعت'' سے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا: ما انا علیہ و اصحابی۔ یعنی جو لوگ میرے اوپر اور میرے صحابہؓ کے راستہ پر ہوں گے' وہ جنت میں جائیں گے۔

دین اسلام بالکل سیدھا سادا فطری دین ہے۔ اس کے بتلائے ہوئے عقائد بالکل واضح اور اس کے تعلیم کردہ اعمال اپنی تفصیلات میں بالکل صاف ہیں لیکن جب کوئی آدمی ہوائے نفس کا شکار ہو جاتا ہے اور الحاد بے دینی کا رسیا اور خوگر ہو جاتا ہے تو اسلام کے عقائد و اعمال کے معاملہ میں تاویلات رکیکہ کا سہارا لے کر ایسا انداز اختیار کرتا ہے کہ دین کا حلیہ بگڑ کر رہ جاتا ہے ایسے ہی لوگ ہیں جنہیں قرآن حکیم میں بڑے ہی سخت الفاظ میں یاد کیا گیا ہے اور ان کے اعمال بد پر انہیں ٹوکا گیا ہے۔ انہیں لوگوں کی ہوائے نفس کے نتیجہ میں دنیا میں نئے نئے فتنے جنم لیتے ہیں' نئے نئے افکار کی بنیاد پر نئی جماعتیں اور گروہ پیدا ہو کر امت کی پریشانی کا باعث بنتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے مخلص اور صالح بندے ہر دور میں ایسے رہے اور آج بھی ہیں جو ہر قسم کی طعن و تشنیع برداشت کر کے بھی ان عقائد صحیحہ اور اعمال صالحہ سے انحراف نہیں کرتے۔ انہیں آپ دقیانوسی کہیں' اولڈ فیشن کا پجاری کہیں یا کچھ کہیں وہ سنت و جماعت کی اس پسندیدہ روش سے نہیں ہٹتے جس کو اللہ کے رسول علیہ السلام نے نجات کی راہ قرار دیا۔ ما انا علیہ و اصحابی کا جملہ ہو یا محض وھی الجماعۃ مفہوم دونوں کا یکساں ہے۔ کیونکہ اللہ کے رسول علیہ السلام سے براہ راست اکتساب کرنے والے صحابہؓ ہی تھے۔ انہوں نے دین کی ہر جزئی کو رسول برحق سے سیکھا' اس پر عمل کیا اور بلا کم و کاست اس کا ایک ایک شوشہ کمال دیانت کے ساتھ امت کی طرف منتقل کر دیا اسی لئے امام ابوزرعہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ صحابہؓ پر جرح و تنقید کرنیوالے دین کو مجروح کرنا چاہتے ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ دین اسلام کے نزول کے عینی گواہ مجروح ہو جائیں اور دین پر سے لوگوں کا اعتماد اٹھ جائے۔ اس قسم کے رسوائے زمانہ لوگوں کے متعلق حدیث میں لعنت آئی ہے اور انہیں بہت ہی برے لفظوں میں یاد کیا گیا ہے امت کی بہتری اور فلاح رسول برحق اور صحابہؓ کے نقشِ قدم میں ہے اور اسی میں نجات ہے۔

اس مرحلہ پر سوادِ اعظم سے متعلق اتنا اشارہ کافی ہے کہ سوادِ اعظم افراد کی بھیڑ چال کا نام نہیں بلکہ یہ اس جماعت حقہ کا نام ہے جو قرآن وسنت کی والا وشیدا ہے۔ جس کی پہلی کڑی حضرات صحابہؓ تھے اور پھر نسلاً بعد نسلٍ یونہی سلسلہ چلتا رہا تا آنکہ ہمارا دور آ گیا۔ گو کہ آج شرور وفتن کا دور دورہ ہے لیکن بحمداللہ دنیا اچھے لوگوں سے آج بھی خالی نہیں اور جب خالی ہو جائے گی تو قیامت قائم ہو جائے گی جیسا کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ استقامت علی الدین سے نوازے۔ آمین!

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا مقام :

(۲۵) عَنْ مُعَاوِيَة رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال رَأَيْتُ رَسُولَ اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و اصحابہ و سلم يَمُصُّ لِسَانَه' اَوْ قَالَ شَفَتَه' يَعْنِى الْحَسَنَ بْنُ عَلِيّ رِضوان اللہ تعالیٰ عليهما وَاَنّه' لَنْ يُعَذِّبَ لِسَان'' اَوْ شَفْتَانِ مَصَّهُمَا رسول اللّٰہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و اصحابہ وسلم . (مسند احمد ص ۹۳ ج ۴)

حضور علیہ السلام کی چار صاحبزادیاں تھیں جن کے اسماء گرامی یہ ہیں سیدہ زینبؓ ' سیدہ رقیہؓ سیدہ ام کلثومؓ اور سیدہ فاطمہؓ ان کے نکاح علی الترتیب حضرت ابو العاصؓ حضرت عثمان بن عفانؓ اور حضرت علیؓ سے ہوئے (سیدہ رقیہ اور سیدہ ام کلثوم دونوں حضرت عثمانؓ کے نکاح میں یکے بعد دیگرے آئیں آپؓ کو ذوالنورین کہنے کی وجوہات میں ایک وجہ یہ بھی ہے) آپ ﷺ کے کل چار نواسے تھے جن کے نام یہ ہیں حضرت علی بن حضرت ابو العاصؓ جنہوں نے یرموک کی جنگ میں عظیم الشان قربانی و ایثار کا مظاہرہ فرمایا۔ حضرت عبداللہ بن حضرت عثمان اور حضرت حسن' حضرت حسین بن علیؓ حضرت علی بن ابی العاص ہی وہ نواسے ہیں جو فتح مکہ کے تاریخی سفر میں آپ ﷺ کے ردیف اور ہمرکاب تھے۔ اپنی نورِ نظر بچیوں کی عزیز اولاد سے سرور کائنات علیہ السلام کو بے پناہ محبت تھی۔

آپ ﷺ ویسے ہی بچوں سے بے حد محبت فرماتے چہ جائیکہ اپنی بچیوں کی اولاد۔ اس روایت میں ایک نواسے یعنی حضرت حسنؓ سے آپ کے پیار کا ذکر ہے۔ حضرت معاویہؓ سے منقول ہے کہ میں نے خود دیکھا کہ حضور علیہ السلام حضرت حسن کی زبان یا (فرمایا) ان کے ہونٹ محبت سے چوس رہے تھے۔۔۔ آگے حضرت معاویہؓ فرماتے ہیں کہ جس زبان یا ہونٹوں کو سرور کائنات علیہ السلام نے

محبت سے چوما اور پیار کیا اسے کبھی عذاب نہیں ہوگا۔ دوسرے نواسوں کی طرح حضرت علیؓ کے دونوں صاحبزادوں جناب حسنؓ اور جناب حسینؓ سے بھی آپ کو پیار تھا لیکن جناب حسنؓ کی پیشانی میں جو کچھ نبوت کی نگاہ نے دیکھا اس کے پیش نظر ارشاد فرمایا کہ میرا یہ لاڈلا بڑا ہی عظیم اور سردار ہے اور اس کے ذریعہ امّت کی اجتماعیت نظر آرہی ہے۔ چنانچہ حضرت حسنؓ نے حضرت معاویہؓ بن ابی سفیانؓ کی خلافت وامارت پر اتفاق کر کے ملت کی باگ ڈوران کے ہاتھ میں دے کر جو عظیم الشان کا نامہ سرانجام دیا اس کے پیش نظر وہ سال ہی عام الجماعۃ کے عنوان سے معروف ہوگیا کہ اب سے کچھ عرصہ قبل ملت میں جو افسوسناک خلفشار تھا وہ مٹ گیا اور ختم ہوگیا حضرت معاویہ حضور علیہ السلام کے عزیز صحابی اور برادر نسبتی تھے ان کی صلاحیتوں کے پیشِ نظر حضور علیہ السلام نے ان کی امارت و قیادت اور خلافت کی پیش گوئی فرمائی تھی۔ حضرت السید حسنؓ کے عمل و کردار سے دو پیش گوئیاں پوری ہوئیں۔ مصالحت واجتماع کی پیش گوئی اور حضرت معاویہؓ کی قیادت وخلافت۔ حضرت معاویہؓ نے آگے چل کر عظیم پتہ کی بات کہی کہ جس زبان یا ہونٹوں کو سرکار دو جہاں علیہ السلام نے چوما اور بوسہ لیا اسے کیسے عذاب ہوگا، کبھی نہیں اور ہرگز نہیں صحابہ علیہم الرضوان کے متعلق ارشاد نبوی ہے جنہوں نے مجھے دیکھا انہیں جہنم کی آگ نہیں چھوئے گی اور جنہوں نے مجھے دیکھنے والوں کو دیکھا انکا معاملہ بھی ایسا ہی ہے گویا خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم کی حدیث ارشاد فرمائے گئے۔ بہترین زمانوں کے بہترین انسان صحابہؓ اور تابعین اپنی عظمت و جلالت، ایمانی و غیرت اور قوت اور دینداری و دینی خدمات کے سبب ایسے سعادت منداور نیک بخت ہیں کہ جہنم کا ان سے کیا کام؟ یہ لوگ بخشے ہوئے اور مغفرت یافتہ ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ انہی کے لئے تو ہے! یہی ہیں جن سے محبت، رسول کریم ﷺ سے محبت ہے۔ اور یہی ہیں کہ جن سے دشمنی سرکار ﷺ سے دشمنی ہے ان ہی کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کی رفاقت کے لئے چنا، یہی وحی کے گواہ اور دین اسلام کے سب سے بڑے مبلغ و منادی ہیں جنہوں نے مشرق و مغرب میں پھر کر دین اسلام کا پھریرا لہرایا۔

بیعت :

۲۔ حَدثنا عبداللہ ....عَنْ مُعَاوِیَۃَ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ قَالَ رسول اللہ

صلی اللہ تعالیٰ علیہ و اصحابہ و سلم مَنْ مَّاتَ بِغَيْرِ اِمَامٍ مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً.

(مسند احمد ص ۹۶ ج ۴)

ترجمہ: حضرت معاویہؓ کی اس روایت کا ماحصل یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا جو شخص امام کی بیعت کے بغیر مر گیا وہ جاہلیت کی موت مرا۔

اسلام سے پہلے دنیا کی حالت بالکل ایسی تھی جیسے بھیڑوں کا گلہ جن کا کوئی چرواہا نہ ہو کسی بھی اعتبار سے لوگوں کے پیش نظر کوئی مقصد نہ تھا۔ جس شخص کا جدھر منہ اٹھتا وہ چل دیتا۔ اس افراتفری اور ہنگامہ آرائی کی زندگی میں باہمی جنگ و جدال، جھگڑے، فساد، اور خونریزی عام تھی۔ اسلام کے لوگوں پر اتنے احسانات ہیں کہ ان کی تعداد کا متعین کرنا بھی مشکل ہے ان احسانات میں ایک بڑا احسان یہ ہے کہ اس نے انہیں جوڑا اور ایسا کہ وہ بنیان مرصوص بن گئے۔ قرآن عزیز نے سورۃ آل عمران میں اس جوڑ اور باہمی اتحاد کا بطور خاص ایک نعمت کے انداز میں ذکر کیا ہے جبکہ سورۃ انفال حضور علیہ السلام کو مخاطب کر کے فرمایا کہ یہ جوڑ اور باہمی اتحاد ایسی چیز ہے کہ آپ ساری زمین کی دولت خرچ کر کے بھی اس مقصد کو حاصل نہیں کر سکتے تھے۔ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ۔ یہ اللہ کی عنایت اور اس کا کرم ہے کہ اس نے انہیں جوڑ دیا اور ان کے دلوں کو متحد کر دیا۔ اس عظیم نعمت کی حفاظت کے لئے اللہ تعالیٰ نے بطور خاص ہدایات دیں۔ ایسی چیزوں سے روکا جو اس دیوار میں دراڑ کا باعث بن سکتی ہیں، اور محتاط اور سنجیدہ زندگی گزارنے کی تلقین کی۔ اسی سلسلہ کی ایک کڑی مسلمانوں کا وہ مضبوط نظام حکومت و سیاست بھی ہے جس کے پہلے سربراہ خود سرورِ دو عالم علیہ السلام تھے۔ آپ ﷺ نے امت کی وحدت و اجتماعیت کا تمام تر نظام قائم فرمایا۔ اہم قومی و ملّی امور میں بحکم خداوندی مشاورت کا طریق اختیار کر کے لوگوں کو احساس دلایا کہ تم سارے اس نظام کے چلانے میں عملاً مدد و معاون ہو۔ اگر ایسا نہ ہو تو لوگوں میں عدم شرکت کا احساس پیدا ہوتا ہے نتیجۃً وہ تتر بتر ہو جاتے ان میں مایوسی پھیل جاتی ہے حضور علیہ السلام نے مختلف ذمہ داریوں پر ان لوگوں کو فائز کیا جو ان کے اہل تھے۔ آپ کا ارشاد تھا خِيَارُكُمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ خِيَارُكُمْ فِي الْاِسْلَامِ اِذَا فَقِهُوا (او كما قال عليه السلام) کہ جو لوگ کسی بھی اعتبار سے جاہلیت کے زمانہ میں معزز و محترم تھے قبول اسلام کے بعد ان کی وہ حیثیات برقرار رہیں گی۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ بنو امیہ کے افراد کو سب سے زیادہ ملّی ذمہ داریاں سونپی گئیں کیونکہ اس قبیلہ کے

افراد کا اس سلسلہ میں پرانا تجربہ تھا اور یہ لوگ ان معاملات میں ماہر تھے۔حضور علیہ السلام کی تعلیمات کا اس ضمن میں ایک پہلو وہ ہے جس کا درج بالا حدیث میں ذکر ہے۔ظاہر ہے کہ اس اجتماعیت کو برقرار رکھنے کیلئے ایک ایسے ادارہ کا قیام ضروری ہے جو سٹیٹ یا ریاست کے نام سے معروف ہے اس کا ایک سربراہ عادل مسلمان از بس ضروری ہے اسے خلیفہ وامام کا نام دیں یا صدر و پریذیڈنٹ کا! (ویسے صدرِ اول کی مقدس اصلاحات کو اپنانا اسلامی تشخص کیلئے بہت ہی برکت کا باعث ہے) اس امیر وامام پر سب لوگوں کا اعتماد ضروری ہے اعتماد کی نشانی اہل حل وعقد کا ووٹ یا بیعت ہے اگر وہ امیر وامام ایسا ہو کہ اس میں شرعاً کوئی قباحت ہو تو اسے نظر انداز بھی کیا جا سکتا ہے یعنی اسے معزول بھی کیا جا سکتا ہے لیکن جب وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور رسول کریم علیہ السلام کی شریعت غراء کی روشنی عدل وانصاف کا سلسلہ قائم رکھے تو پھر کسی کو حق نہیں دیا جا سکتا کہ وہ اس کے خلاف ہنگامہ آرائی وفساد کا انداز اختیار کرے ایسا شخص بلا شک باغی اور غدار شمار ہوتا ہے۔ہمارے یہاں سیاسی اختلافات کی بھونڈی شکلوں کے بعد غداری کا جو ہنگامہ کھڑا کر دیا جاتا ہے وہ تو بڑی ناروا سی بات ہے اور دین ودیانت اس کا ساتھ نہیں دیتے۔

اصل بات یہ ہے۔اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت ہی ایک ایسا پیمانہ ہے جس کی روشنی میں راعی اور رعایا کے اعمال کا جائزہ لیا جا سکتا ہے۔اگر ''راعی'' کا رخ سوئے ترکستان ہو جائے تو اسے ٹوکنا اور اس کی اصلاح کے لئے سرگرم عمل ہونا سب سے بڑا جہاد ہے'' افضل الجهاد كلمة حق عند سلطان جائر '' اور جب ایسا نہ ہو تو پھر باہمی اعتماد کو ٹھیس نہ پہنچانا چاہیے کہ اسی میں ملک وقوم اور اپنا بھلا ہے۔

مقامِ صحابہؓ :

۲۷. عَنْ معاوية رضى الله تعالىٰ عنه قَالَ قَالَ رَسُولُ الله صلى الله تعالىٰ عليه و اصحابه وسلم مَنْ اَحَبَّ الْاَنصَارَ فَبِحُبِى اَحَبَّهُمْ وَمَنْ اَبْغَضَ الْاَنْصَارَ فَبِبُغْضِى اَبْغَضَهُمْ

(کنز العمال ص ۹ ج ۱۳)

حضور نبی رحمت ﷺ کی صحبت معیت اور رفاقت اختیار کرنے والے حضرات کو ''صحابہ'' کہا جاتا ہے اصحاب بھی انہی کو کہتے ہیں اور عام بول چال میں جسے ''صحابی'' کہا جاتا ہے وہ اصحاب کا

صیغہ مفرد ہے۔اس سعادت مآب اور صاحب عزو وقار طبقہ کی بنیادی تقسیم اس طرح ہے کہ ایک حصے کو ''مہاجرین'' اور دوسرے کو'' انصار'' کہا جاتا ہے۔قرآن میں جا بجا ان دونوں طبقات کا ذکر ہے سورۃ توبہ کی آیت وَالسَّابِقُونَ الاَوَّلُونَ میں ہے مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالاَنصَارِ ....اور آگے ارشاد ہے۔ وَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوهُمْ بِاِحسَانٍ۔ان طبقات جن میں دوقسم کے صحابہؓ شامل ہیں کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا۔اسی طرح سورۃ حشر میں ایثار کی جس خوبی اور صفت کا ذکر ہے۔وہ انہی حضرات انصار کے سلسلہ میں بیان کی گئی ہے۔۔۔ایثار کا معنی ہے دوسرے کو اپنے آپ پر ترجیح دینا۔انصار کے ایک فرد نے رسولِ کریم علیہ السلام کے مہمان کو گھر میں اس حال میں کھانا کھلایا کہ خود سارا گھر بھوکا رہا۔لیکن رسالت مآب ﷺ کے مہمان کی خدمت کی۔یہ ادا حضرت حق جل مجدہٗ کو ایسی پسند آئی کہ اللہ تعالیٰ نے اس قصہ کو قرآن میں بیان کرکے لازوال حیثیت دے دی۔۔۔انصار نے سرکار دوعالم علیہ السلام اور آپ ﷺ کے لٹے پٹے رفقاء ''مہاجرین'' کی جس طرح خدمت کی اس کی مثال تاریخ عالم کے صفحات میں مشکل سے ملے گی۔تیرہ برس کی دعوت وتبلیغ کے بعد ایسا محسوس ہوا کہ یہ زمین ابھی تک اہل اسلام کے لئے تنگ ہے ادھر ''یثرب'' جسے بعد میں مدینۃ النبی ﷺ کہا گیا اس کے باسیوں کے دل اللہ تعالیٰ نے ایمان واسلام کے لئے کھول دیے۔یہ لوگ آگے بڑھے۔حضور علیہ السلام کی خدمت میں پہنچ کر اسلام قبول کیا نہ صرف اسلام قبول کیا، بلکہ حضور علیہ السلام کو دعوت دے دی کہ آپ ﷺ ہمارے یہاں قدم رنجہ فرمائیں۔اندازہ کریں' یہ کتنی بڑی بات تھی۔اس دور میں اور اس وقت میں جب اسلام کی بات کہنا آگ کے انگاروں پر لوٹنے کے مترادف تھا اور وفا کیش طبقہ نے ہر قسم کے عواقب اور نتائج سے بے نیاز ہو کر اس قدسی صفت انسان (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اپنے یہاں کی دعوت دے دی یہ دعوت کتنی مخلصانہ تھی۔اللہ کے رسول ﷺ نے اس کو قبول کیا اور جانئے کہ اس کا قبول کرنا درحقیقت خود باری تعالیٰ کا قبول کرنا تھا۔پھر انتہائی المناک حالات میں اللہ کا رسول ﷺ اپنے سب سے زیادہ مخلص و جانثار رفیق حضرت صدیق اکبرؓ کو ساتھ لے کر مکہ سے نکلے۔راستہ کی صعوبتیں برداشت کیں دُکھ اٹھائے تکلیفیں سہیں۔اللہ کی ان گنت رحمتیں ہوں حضرت صدیق اکبرؓ اور ان کے اہل خانہ پر جنہوں نے خدمت کے لئے سب کچھ داؤ پر لگا دیا! جب حضور علیہ السلام کا مختصر دونفری قافلہ مدینہ کے قریب پہنچا تو یہ لوگ چشم براہ تھے ....

طلع البدر علینا من ثنیات الوداع وجب الشکر علینا مادعااللہ داع

کے زمزموں سے مدینہ کا گردوپیش گونج اٹھا۔ پیغمبرانہ وقار اور استقامت کے ساتھ حضور علیہ السلام کی سواری چلی جارہی تھی وہ حضرت ابوایوب انصاریؓ کے مکان پر جاکر رُکی۔ حضور علیہ السلام نے مدینہ طیبہ جانے کے بعد جو بنیادی اور ابتدائی کام کیے ان میں مہاجرین کی آبادکاری بنیادی طور پر شامل تھی۔ اس کے لئے حضور علیہ السلام نے جو اقدام کیا اس کی تاریخ عالم میں کوئی مثال نہیں ملتی۔۔۔۔۔مواخاۃ کی بنیاد پر ایک مہاجر اور ایک انصاری کو بھائی بھائی بنادیا۔ انصار نے جس خلوص ومروّت اور شرافت کا مظاہرہ کیا اس کی نظیر کسی نے کب دیکھی ہوگی؟ اپنے مکان اپنی کھیتی باڑی سب کچھ بانٹ کر مہاجر بھائیوں کو دے دی۔ حتّٰی کہ خود کھیتی باڑی کرکے اس کی پیداوار نصفا نصفی اپنے بھائیوں کو دے دیتے یہ الگ بات ہے کہ مہاجرین نے بھی جواباً اسی قسم کے برتاؤ کا مظاہرہ کیا لیکن انصار نے جس پیش قدمی کی طرح ڈالی وہ اپنی مثال آپ ہے۔ حضور علیہ السلام نے اس گروہِ باصفا کے ساتھ محبت اور بغض کو اپنے ساتھ محبت اور بغض قرار دیا اور یہ اتنی بڑی سند ہے کہ باید وشاید۔۔۔۔فرضی اللہ تعالیٰ عنھم۔

عدل وانصاف :

۲۸۔ عَنْ مُعاویۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللہِ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و اصحابہ وسلم لَا تُقَدِّسُ اللہُ اُمَّۃً لَا یَقْضِیْ فِیْھَا بِالْحَقِّ وَیَاخُذُ الضَّعِیفُ حَقَّہٗ مِنَ الْقَوِیِّ غَیْرَ مُتَعْتَعٍ۔ (رواہ الطبرانی ورجالہ ثقات مجمع الزوائد ص ۲۰۹ ج ۵)

حضرت معاویہؓ کی یہ روایت جسے طبرانی نے نقل کیا ہے اور اس کے علاوہ مجمع الزوائد نیز ترغیب وترہیب ص ۱۳۸ ج ۳ میں موجود ہے بڑی اہم اور قابل غور ہے اس میں اللہ تعالیٰ کے نبی ایک ایسی بات کی طرف توجہ دلارہے ہیں جس کا آج ہماری عملی زندگی میں دور دور پتہ نہیں۔ فرمایا جارہا ہے کہ وہ امت پاکیزگی وعزت کیونکر حاصل کرسکتی ہے جس میں نہ تو حق وانصاف کے ساتھ فیصلے ہوتے ہوں اور نہ ہی کمزور اور ضعیف انسان کو اس کا حق کسی زور آور اور ظالم سے آسانی اور سہولت کے ساتھ مل سکے۔ آپ نے دیکھا کہ اللہ کے نبی علیہ السلام کیا ارشاد فرمارہے ہیں اور ہمارے معاشرے کا کیا حال ہے؟۔۔۔
اِعْدِلُوا ھُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی۔۔۔۔ (ہر حال میں عدل کرو یہی حصول تقویٰ کا موثر ذریعہ ہے) کی تختی

اور پلیٹ ہر جگہ نظر آئے گی لیکن عدل وانصاف کا خون اس طرح نہ ہو کہ ستم رسیدہ دیوار سے ٹکرا کر رہ جائے۔ فی الحقیقت اسلام کا نظام عدالت اتنا سہل اور آسان تھا کہ اس میں کسی مجرم کا بچ کر نکل جانا انتہائی مشکل تھا اوّل تو معاشرے میں جرائم برائے نام کو تھے کیونکہ معاشرہ میں خدا خوفی بطریق اتم موجود تھی لیکن جب سے خدا خوفی گئی، تعلیم وتربیت رخصت ہوئی اور گھر کی چار دیواری سے جھوٹ اور فریب کی تربیت ہونے لگی۔ تعلیم گاہوں میں یہ منفی جذبات پروان چڑھے۔ فحش اور جنسی لٹریچر اور رنگ و روغن اور مختلف ذرائع ازقسم سینما، ٹی وی کے ذریعہ نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ الا امان۔۔۔ اب جرائم ہوتے ہیں اور اس دھڑلے سے کہ کسی کو کسی کا ڈر نہیں۔ مجرم سمجھتا ہے کہ میرے ہاتھ لمبے ہیں میرے پاس اتنی دھن دولت ہے کہ میں ہرے پیلے نوٹوں کے سہارے حالات کا دھارا بدل سکتا ہوں وہ موثر ترین سفارشوں پر نازاں ہوتا ہے'' قابل ترین وکلاء کو بیش قیمت فیس دے کر عدالت میں لا کھڑا کرتا ہے۔ وہ بھلا آدمی جانتے بوجھتے ہوئے محض اپنے سکے کھرے کرنے کی غرض سے دلائل وبراہین کا زور لگا دیتا ہے اور ایسی ڈگر پر چلتا ہے کہ سچ جھوٹ اور جھوٹ سچ نظر آنے لگتا ہے اس کے بعد فیصلہ درست ہوگا تو کیسے؟ خود سرکار دوعالم علیہ السلام نے ایسے لوگوں کے متعلق فرمایا کہ اگر کوئی چرب زبانی سے جھوٹ بول کر اور جھوٹی شہادتوں کی بنیاد پر مجھ سے غلط فیصلہ کرانے میں کامیاب ہوگیا تو انتہائی مجرم ہے میں تو انسان ہوں غیب اور مخفی باتیں نہیں جانتا۔ مقدمہ کی تفصیلات اور شہادتوں پر فیصلہ کرتا ہوں اب لوگوں کا کام ہے کہ وہ خدا سے ڈریں اور شرافت کا مظاہرہ کریں۔۔۔ لیکن یہ سب ہدایات آج عبث ہیں۔ خلق خدایوں اجتماعی طور پر گمراہی کا شکار اور بدبختی کے گرداب میں پھنسی ہوئی ہے کہ خدا کی پناہ۔

دوسری بات یہ ہے مظلوم کی دادرسی' اسے ظالم سے حق مل جائے' کمزور زور آور سے اپنا حق لے سکے۔ لیکن سوچیں یہ بات کہیں ہے؟ آج دنیا بھر میں جنگل کے قانون والی ضرب المثل قائم ہو چکی ہے۔ خود مسلم دنیا کا یہ حال ہے کہ وہاں بھی بڑی مچھلیاں چھوٹی مچھلیوں کو ہڑپ کر رہی ہیں'' جس کی لاٹھی اس کی بھینس'' کا مکروہ قانون خود مسلمانوں کو اپنی لپیٹ میں لئے ہوئے ہے اور مظلوم وکمزور طبقہ ذلت وخواری کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہے۔ ستم رسیدہ شخص کسی دروازے پر جائے' اس کی فریاد تک کوئی نہیں سنتا چہ جائیکہ کوئی اس کی دادرسی کرے۔۔۔۔۔ سرکار دوعالم علیہ السلام اس قماش کے معاشرہ

کے متعلق فرما رہے ہیں کہ اللہ کی طرف اس کا کب بھلا ہوگا؟ وہ کیسے پاکیزگی کے ماحول میں ڈھل سکے گا ایسا معاشرہ گندگی کا کیڑا ہوتا ہے جو گندگی ہی کو پسند کرتا ہے اور اسی پر خوش ہوتا ہے۔

آج ہمارا حال یہی ہے۔ یہاں نہ انصاف ہے نہ مظلوم کی دادرسی' اس لئے ڈر لگتا ہے کہ کیا ہوگا؟ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے۔ حکومتوں' اور معاشروں کی تباہی میں ظلم جتنا مؤثر کردار ادا کرتا ہے اتنی کوئی اور چیز مؤثر نہیں ہوتی۔ آئیں اپنے اعمال کا جائزہ لیں' اللہ سے ڈریں اور ہدایات نبوت پر عمل کریں اللہ تعالیٰ توفیق خیر سے نوازے۔ آمین!

تقدیر :

(۲۹) عن معاویۃ بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہما قَالَ قَالَ رَسُولَ اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ واصحابہ وسلم لَا تَعجلَنَ اِلیٰ شَيءٍ تَظُنُّ اَنَّکَ اِن اسْتَعَجَلْتَ اِلَیهِ اِنَّکَ مُدرِکہ' اِنْ کَانَ لَمْ یُقدِرلَکَ ذَالِکَ وَلَا تستأخرن عَنْ شَیيءٍ تَظُنُّ اِنَکَ اَن اسْتَاخَرتَ عَنہ' اِنہ' مَرفُوع'' عَنکَ اِنْ کَانَ اللہُ قَدَّرہ' عَلَیکَ۔

(رواہ الطبرانی فی الکبیر والاوسط) (ترغیب وترہیب ج ۳ ص ۸)

ایمانیات کے باب القدر'' تقدیر'' پر ایمان لازمی اور ضروری ہے' اس کے بغیر انسان مسلمان نہیں ہوسکتا'' کا عقیدہ بنیادی عقیدہ ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ اس دنیا میں اچھا برا جو کچھ ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادہ کے تحت ہوتا ہے' ہر چیز کا وہی خالق ہے اس کے بغیر پتہ بھی نہیں ہل سکتا۔ دوسری بات جس پر ایک مسلمان کو ایمان رکھنا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ انسان یہ محسوس کرے کہ انسان کی ضرورتوں کو اللہ تعالیٰ سے بہتر کوئی نہیں جانتا' خود انسان بھی اس عمل میں بے خبر و بے عمل ہے اللہ تعالیٰ ہی ہے جو جانتا ہے کہ انسان کو کیا ضرورت ہے' اور اسے کیسے پورا کرنا ہے'' واللہ یعلم و انتم لا تعلمون '' یہ ٹکڑا سورہ بقرہ کا ہے جو جہاد کی فرضیت کے پس منظر میں ارشاد فرمایا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ جہاد کی سختیاں طبعی طور پر تمہیں بوجھل معلوم ہوتی ہیں لیکن اس میں نتیجہ کے اعتبار سے جو فوائد اور برکات مضمر ہیں انہیں اللہ تعالیٰ خوب جانتے ہیں لیکن تم ان سے ناواقف ہو۔ اور ضابطہ کے طور پر ایک بات ارشاد فرمائی کہ'' جو چیز تمہیں پسند ہو وہ ضروری نہیں کہ واقعۃً پسندیدہ ہو بلکہ ممکن کہ تمہارے حق میں بری ہو'' اسکے بعد ارشاد ہے۔۔۔

"واللہ یعلم و انتم لا تعلمون" ہر چیز میں جو حقائق مضمر ہیں اور ہر چیز پر جو اثرات اور نتائج مرتب ہوتے ہیں ان سے اللہ کی ذات تو واقف ہے تم واقف نہیں۔ ایک مزید بات ذہن میں رکھنی ضروری ہے وہ یہ کہ سب کچھ دینے والی اللہ کی ذات ہے وہ دینا چاہے تو کوئی روک نہیں سکتا اور وہی روک لے تو کوئی دے نہیں سکتا۔ حضور سرور کائنات فخرِ موجودات رحمت دو عالم ﷺ کی دعا ہے۔ اَللّٰھُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعطَیتَ وَلَا مُعطِیَ لِمَا مَنَعتَ وَلَا یَنفَعُ ذَالجَدِّ مِنکَ الجَدُّ .... انسانی فطرت کی جو کمزوریاں ہیں وہ ظاہر ہیں کہ انسان ہر معاملہ میں چھلانگ مارنے کی کوشش کرتا ہے وہ چاہتا ہے کہ جو میں چاہتا ہوں وہ بس فوراً ہی ہو جائے وہ نہیں جانتا کہ اس کا نفع کیا ہے اور نقصان کیا؟ جب اس کی خواہشات اور امنگیں اس کی حسب خواہش پوری نہیں ہوتیں تو وہ بے قراری اور اضطراب کا شکار ہو جاتا ہے۔ بے چینی اور بے خبری کے ساتھ جزع و فزع شروع کر دیتا ہے لیکن یہ نہیں سوچتا کہ اس جلد بازی کا کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کی ذات جو علیم و خبیر ہے اور حالات سے نہ صرف واقف ہے بلکہ حالات کی تبدیلی اسی کے قبضہ قدرت میں ہے اس کی منشاء کے بغیر کوئی کام نہیں ہوگا۔ جب یہ حقیقت ہے تو اس شوری شوری کا کیا فائدہ؟ اور اس ہنگامہ آرائی سے کیا مطلب؟ جو حدیث اوپر نقل کی گئی ہے جس کے راوی حضور علیہ السلام کے برادر نسبتی امت کے ماموں حضور علیہ السلام کے کاتب اور خلفاء ثلثہ علیہم الرضوان کے معتمد ساتھی حضرت معاویہؓ ہیں اس میں حضور سرور کائنات علیہ السلام یہی ارشاد فرماتے ہیں کہ کسی چیز کے معاملہ میں جلد بازی سے کام نہ لو۔ تمہارا یہ سوچنا کہ جلد بازی سے وہ چیز تمہیں مل جائے گی صحیح نہیں۔ اگر وہ چیز اللہ تعالیٰ نے تمہارے مقدر میں نہیں لکھی اور اس کا ملنا تمہارے لئے اللہ کے علم کے مطابق صحیح نہیں تو وہ چیز تمہیں کبھی نہ مل سکے گی پھر اس جلد بازی کا فائدہ؟ اور اسی چیز کی تاخیر کے سبب یہ نہ سوچو کہ تاخیر کی وجہ سے کوئی چیز تمہیں نہ مل سکے گی۔ نہیں، اگر اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے کوئی چیز مقدر کر دی ہے تو وہ بہرحال مل کر رہے گی۔۔۔۔ اس میں تاخیر ہوئی تو اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی کوئی مصلحت ہوگی۔ دعا کے متعلق بھی اسی قسم کی ہدایات ہیں۔ انسان جب خدا سے کچھ مانگتا ہے تو اس کی خواہش ہوتی ہے کہ میں نے جو مانگا ہے اسی شکل میں فوری طور پر پورا ہو جائے لیکن اللہ تعالیٰ کی حکمت سمجھتی ہے کہ یہ چیز بعینہٖ دینے میں بندہ کا فائدہ ہے یا نہیں؟ اور بعینہٖ تاخیر سے دینے میں فائدہ ہے یا

نقصان؟ پھر ذات حق یہ بھی جانتی ہے کہ اس چیز کا نعم البدل دنیا اور آخرت میں بندہ کے حق میں کیسا ہوگا وہ ذات پاک ان تمام مصالح اور حکمتوں کی روشنی میں بندے کے ساتھ معاملہ کرتی ہے۔۔ گویا اس حدیث میں ایک بہت ہی اہم اصول ذکر فرما دیا گیا ہے کہ انسان کو جلد بازی سے کام نہیں لینا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کی عنایت ومہربانی' اس کی حکمت بالغہ پر نظر رہنی چاہیے' اسی میں بھلا ہے اسی میں فائدہ ہے! اللہ تعالیٰ اپنی عنایت مہربانی سے ہمیں صحیح راہ پر چلنے کی توفیق سے نوازے۔ آمین!

قطع تعلق :

(۳۰) عَنْ معاویة رضی الله تعالیٰ عنه قَالَ سَمِعْتُ رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه و اصحابه وسلم يَقُولُ اِنَّکَ اِنِ اتَّبَعْتَ عَورٰتِ النَاسِ اَوْ عِثرَاتِ النَاسِ اَفْسَدْتَهُمْ اَوْكَدْتَ اَنْ تَفْسُدَهُمْ قَالَ يَقُولُ اَبُو الدَّرْدَاء رضی الله تعالیٰ عنه كَلِمَةٌ سَمِعَهَا مُعَاوِيَةٌ" مِنْ رَسُولِ الله صلی الله تعالیٰ علیه واصحابه وسلم فَنَفَعَهُ اللهُ بِهَا . (السنن الکبری ج۸ ص۳۳۳)

"لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَاطِعٌ"۔ " لَا يُحِبُّ اللهُ الْجَهرَ بِالسُّوءِ مِنَ الْقَولِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ"۔

اسلام اپنے ماننے والوں کو جس طرح کی زندگی گزارنے کی ہدایت کرتا ہے اس سے بے اعتنائی برت کر آج جو ہمارا حال ہو چکا ہے' اس پر کسی گفتگو کی ضرورت نہیں ہمارا قومی وقار مجروح ہو چکا ہے اور ہم دنیا کی نظروں میں رسوا ہو کر رہ گئے ہیں۔ ہمیں عقائد سے لے کر اخلاق ومعاشرت تک ہر معاملہ میں ایک واضح نقطہ دیا گیا اور ہمارے لئے ایک لائن متعین کر دی گئی۔ اس نقطہ نظر اور اس لائن کو ماضی قریب کے ایک بہت بڑے باخدا انسان مولانا احمد علی لاہوری قدس سرہ' کے الفاظ میں یوں بیان کیا جا سکتا ہے" کہ اللہ تعالیٰ کو محبت سے نبی مکرم سرورِ کائنات علیہ السلام کو اطاعت سے اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو خدمت سے راضی کرنے کا نام ہی اسلام ہے" درج بالا جو حدیث نقل کی گئی اس کا تعلق اس پہلو سے ہے جسے آپ بندوں کی خدمت یا ان کے حقوق سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ انسانی معاشرہ میں تہ در تہ تعلقات کا سلسلہ قائم ہے انسانی سوسائٹی باپ بیٹے' بھائی بھائی' چچا بھتیجا جیسے دسیوں بندھنوں میں جکڑی ہوئی ہے۔ ان خونی رشتوں سے الگ ہو کر بہت سارے تعلقات کے پہلو ہیں جن میں سب سے بڑا تعلق اسلام اور ایمان کا ہے جس کے برابر کوئی تعلق نہیں۔ اس تعلق میں دراڑ پڑ جائے تو اللہ تعالیٰ

ناراض ہو جاتے ہیں حدیث میں ہے یعنی جو قطع رحمی کرتے ہیں تعلقات وعلائق کی پرواہ نہیں کرتے اور ان تعلقات کو توڑ دیتے ہیں وہ جنت کے داخلہ سے محروم رہیں گے۔ایک اور حدیث میں تین دن سے زیادہ تعلقات کے انقطاع کو ناجائز اور حرام کہا گیا ہے۔ایک حدیث میں مسلمانوں کے باہمی تعلقات کو ایک عمارت سے تشبیہ دی گئی جس کی اینٹیں باہم پیوست ہوتی ہیں۔اور ایک دوسری سے قوت وطاقت حاصل کرتی ہیں۔حضور علیہ السلام نے اس مسئلہ کو سمجھانے کی غرض سے اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو ایک دوسرے میں ڈال کر (تشبیک) سمجھایا کہ مسلمانوں کا باہمی تعلق اس طرح کا مضبوط و مستحکم ہونا چاہیے۔تعلقات کی خرابی اور بگاڑ کے جو اسباب و ذرائع ہو سکتے ہیں ان سے دین اسلام نے روکا۔ قرآن کریم کی سورۃ حجرات میں اس عنوان پر بڑی تفصیلی ابحاث ہیں۔اس کے علاوہ بھی قرآنی آیات میں ان باتوں سے روکا اور منع کیا گیا ہے جو تعلقات کی خرابی اور بگاڑ کا باعث ہوتی ہیں۔

حضور علیہ السلام نے تشریحی احادیث میں ان مسائل پر کھل کر گفتگو فرمائی اور مسلمانوں کو خوب خوب سمجھایا تا کہ وہ پھر سے گمراہی کے غار میں نہ چلے جائیں۔مسلمانوں کو گالی دینا حدیث میں فسق سے تعبیر کیا گیا ہے یعنی اللہ کی نافرمانی۔۔۔اس سے سوسائٹی اور معاشرہ بگاڑ اور فساد کا شکار ہوتا ہے۔حدیث بالا میں جو مسئلہ بیان کیا گیا ہے اس پر ذرا غور فرمائیں۔حضور علیہ السلام انسانوں کے خفیہ معاملات کی چھان پھٹک' ان کی ٹوہ میں جانے اور ان کے پیچھے پڑ جانے کو فساد اور خرابی کا ذریعہ ارشاد فرما رہے ہیں۔فساد کا لفظ بظاہر ''ف' س' ا' دال' چار لفظوں کا مجموعہ ہے لیکن ہے بڑا سنگین لفظ! آسان لفظوں میں یوں خیال کریں کہ فساد کا اطلاق وہاں ہوتا ہے۔ جہاں خرابی پھیل جائے' لمبے چوڑے ماحول کو لپیٹ میں لے لے۔حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ لوگوں کے خفیہ معاملات کی ٹوہ میں مت لگو ایسا کرنے سے فساد کا خطرہ ہی نہیں یقین ہے' آپ کسی پر بدگمانی کریں بلا تحقیق اور بلا سوچے سمجھے کسی پر الزام لگائیں' تہمت لگائیں' کوئی اور ایسی حرکت کریں تو صرف متاثر آدمی بلکہ اس کے دوست احباب رشتہ دار کتنے ہی ہوں گے جن سے تمہیں پنجہ آزمائی کرنا ہوگی۔تمہارا کام لوگوں کے تاریک پہلوؤں کی چھان پھٹک نہیں (حضرت لاہوری ارشاد فرماتے ہیں کہ لوگوں کے تاریک پہلو نظر انداز کر کے ان کے روشن پہلو دیکھتا ہوں اور اتنی ہی حد تک ان سے کام لیتا ہوں) لوگوں کی خوبیوں پر نظر رکھو۔خرابی نظر

آ ئے تو محبت وشفقت سے ہمدردی ر جاں سوزی سے اسلام کی روشنی میں استغاثہ وفریاد کی اجازت ہے یا آپ ایسی برائی اورخرابی دیکھتے ہیں جس کا اثر معاشرہ اور سوسائٹی پر پڑتا ہے تو ایسے وقت میں احتجاج اور ایسے کا ہاتھ پکڑنا لازمی اور ضروری ہے۔ہاں ایسے معاملات جو نجی اور ذاتی ہیں ان کا تجسس اور اس طرح کی حرکات کی کسی شکل میں اجازت نہیں ورنہ دشمنی عداوت جھگڑے اور بگاڑ کی جو کیفیت ہوگی اسے تم سنبھال نہ سکو گے۔اندازہ فرمائیں نبی رحمت ﷺ کی کتنی پاکیزہ تعلیم ہے۔اے کاش! ہم اس پر غور کریں اور عمل کے لئے کمر ہمت کس لیں۔

اسوہ نبوی ﷺ کی پیروی :

(۳۱) عَنْ اَبِي قيس عن معاوية بن ابي سفيان رضى الله تعالىٰ عنهما اَنَّه صَعِدَ الْمِنْبَرَ يومَ الْجُمعةِ فقَالَ عِنْدَ خُطْبَتِهٖ اِنَّمَا المَالُ مَالُنَا وَالفِيءُ فَيْئُنَا فَمَنْ شِئْنَا اَعْطَيْنَاهُ وَ مَنْ شِئْنَا مَنَعْنَاهُ فَلَمْ يُجِبْهُ اَحَد" فَلَمَّا كَانَ فِي الجُمعَةِ الثَّانِيَةِ قَالَ مِثْلَ ذَالِكَ فَلَمْ يُجِبْهُ اَحَد" فَلَمَّا كَانَ فِي الجُمعَةِ الثَّالِثَةِ قَالَ مِثْلُ مَقَالَتِهٖ فَقَامَ اِلَيْهِ رَجُل" مِمَّنْ حَضَرَ المَسْجِدَ فَقَالَ كَلَّا اِنَّمَا المَالُ مَالُنَا وَالفِيءُ فَيْئُنَا فَمَنْ حَالَ بَيْنَا وَبَيْنَهُ حَاكَمْنَاهُ اِلَى اللهِ بِاَسْيَافِنَا فَنَزَلَ مَعَاوِيَةُ فَاَرْسَلَ اِلَى الرَجُلِ فَاَدْخَلَهُ فَقَالَ القَومُ هَلَكَ الرَّجُلُ ثُمَّ دَخَلَ النَّاسُ فَوَجَدُوا الرَجُلَ مَعَهُ عَلَى السَّرِيْرِ فَقَالَ مُعَاوِيَةُ لِلنَّاسِ اِنَّ هٰذَا اَحيَانِي اَحيَاهُ اللهُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صلى الله تعالىٰ عليه واصحابه وسلم يَقُولُ سَيَكُونُ بَعْدِي اُمَرَاءُ يَقُولُونَ وَلَا يُرَدُّ عَلَيهِم يَتَقَاحِمُونَ فِي النَّارِ كَمَا يَتَقَاحِمُ القِرَدَةُ وَاِنِّي تَكَلَّمْتُ اَوَّلَ جُمعَةٍ فَلَمْ يُرَدَّ عَلَيَّ اَحَد" فَخَشِيْتُ اَنْ اَكُونَ مِنْهُمْ ثُمَّ تَكَلَّمْتُ فِي الْجُمعَةِ الثَّانِيَةِ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيَّ اَحَد فَقُلْتُ فِي نَفْسِي اِنِّي مِنَ القَومِ ثُم فِي الجُمعَةِ الثَّالِثَةِ فَقَامَ هٰذَا الرَّجُلُ فَرَدَّ عَلَيَّ فَاَحيَانِي اَحيَاهُ اللهُ .

(رواہ الطبرانی فی الکبیر والاوسط وابویعلی ورجالہ ثقات) مجمع الزوائد ص ۲۳۶ ج ۵)

ترجمہ: حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ نے اپنے خطبہ کے دوران (بطور آزمائش) ارشاد فرمایا کہ خزانہ ملکی ہماری ملکیت ہے اس سے جس کو ہم چاہیں گے دیں گے اور جس کو نہیں چاہیں گے نہیں دیں

گے۔ان کی اس بات پر کسی نے انہیں نہ ٹوکا دوسرے جمعہ یہی کچھ ہوا لیکن پھر بھی کسی نے جواب نہیں دیا۔تیسرے جمعہ آپ نے یہ بات پھر ارشاد فرمائی' تو حاضرین سے ایک صاحب کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے کہ جناب! یہ مال وخزانہ ہم مسلمانوں کا ہے ہمارے درمیان جو حائل ہوگا ہم اس کا فیصلہ اپنی تلواروں سے کریں گے یہ سن کر حضرت معاویہؓ منبر سے نیچے اترے اس شخص کو بلایا۔اسے لے کر اندر تشریف لے گئے۔لوگوں نے اس کے متعلق خطرہ محسوس کیا۔اور سمجھا کہ یہ شخص مارا گیا۔اسی سوچ و بچار میں لوگ اندر گئے تو دیکھا کہ وہ شخص بڑے مزے میں حضرت معاویہؓ کے ساتھ انہی کے مسند پر بیٹھا ہے۔آپ نے لوگوں سے فرمایا کہ اس شخص نے مجھے زندگی و تازگی بخشی اللہ تعالیٰ اسے تر و تازہ اور سلامت رکھے۔آپ نے اس کے بعد فرمایا کہ میں نے جناب سرورِ کائنات ﷺ سے سنا کہ میرے بعد ایسے حکمران آئیں گے جو اپنی من مرضی کی باتیں کریں گے اور کوئی انہیں ٹوکنے والا نہیں ہوگا۔یہ لوگ آگ میں اسطرح اچھل کود کریں گے جس طرح بندر (شدت عذاب سے) میں نے پہلے جمعہ (آزمائش کے طور پر) ایک بات کہی' کسی نے مجھے نہ ٹوکا تو مجھے خطرہ محسوس ہوا کہ میں کہیں ایسے ہی حکمرانوں میں سے تو نہیں (جن کے متعلق نبی کریم ﷺ نے یہ وعید فرمائی ہے) دوسرے جمعہ وہی بات میں نے دہرائی پھر کسی نے نہیں ٹوکا تو اب میرا خطرہ مزید بڑھ گیا۔(کہ شاید ویسا ہی حکمران ہوں) پھر تیسرے جمعہ یہ واقعہ پیش آیا تو ان صاحب نے کھڑے ہو کر مجھے ٹوکا ان کا مجھے ٹوکنا گویا حیات نو بخشنا تھا اور یہ میرے لئے ایک گونہ اطمینان کی بات تھی کہ میں ایسے ظالم حکمرانوں سے نہیں۔اس لئے میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں خوش وخرم رکھے'' یہ طویل روایت اور اس کا ترجمہ اپنے مفہوم کے اعتبار سے بالکل واضح ہے۔

آپ کو نہ صرف حضور علیہ السلام نے خوشخبری سنائی بلکہ آپ کو ''تقوی'' کی تلقین بھی کی اور آپ کے ''ہادی ومہدی'' ہونے کی دعا بھی کی۔عملی کردار وہ ہے جو آپ نے درج بالا حدیث میں پڑھا کہ ایک بات جو محض آزمائش کی غرض سے کی گئی اس پر جب کسی نے ٹوکا تو اسے کس طرح دعاؤں سے نوازا۔

حکمرانوں کی ہر حال میں مخالفت دین نہیں بعینہ جس طرح ہر حال میں ان کی موافقت دین نہیں معیار ''بر وتقوی'' ہیں۔ان کی بنیاد پر تعاون ایک بندہ مومن کا فرض اور اس کی شان ہے اور ''اثم

و عـدوان " کی بنیاد پر عدم تعاون ضروری اور لازمی ہے۔ ظلم کو دیکھ کر ٹس سے مس نہ ہونا بے غیرتی اور بے حمیتی تو ہے دینداری اور شرافت نہیں۔ ایسے لوگوں کے متعلق سرور کائنات ﷺ نے فرمایا کہ ان کا میرے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔۔۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اسوۂ نبوی کا حامل بنائے۔ آمین!

ہجرت :

(۳۲) حدثنا عبداللہ حدثنی ابی ثنا یزید بن ھارون اخبرنا جریر بن عثمان قال ثنا عبد الرحمٰن بن ابی عوف الجرشی عن ابی ھندالجبلی (رحمھم اللہ تعالیٰ) قَالَ کُنَّا عِنْدَ مُعَاوِیَةَ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وَھُوَ عَلیٰ سَرِیرِہٖ وَقَدْ غَمَضَ عَیْنَیْہِ فَتَذَاکَرْنَا الْھِجْرَةَ وَالْقَائِلُ مِنَّا یَقُولُ قَدِ انْقَطَعَتْ وَالْقَائِلُ مِنَّا یَقُولُ لَمْ تَنْقَطِعْ فَانْتَبَہَ مُعَاوِیَةُ فَقَالَ مَا کُنْتُم فِیہِ فَاَخْبَرْنَاہُ وَکَانَ قَلِیلُ الرَّدِّ عَلَی النَّبِیِّ صلی اللہ تعالیٰ علیہ واصحابہ وسلم فَقَالَ تَذَاکَرْنَا عِنْدَ رَسُولِ اللہِ صلی اللہ تعالیٰ علیہ واصحابہ وسلم فَقَالَ لَا تَنْقَطِعُ الْھِجْرَةَ حَتّٰی تَنْقَطِعُ التَّوبَةُ وَلَا تَنْقَطِعُ التَّوبَةُ حَتّٰی تَطلَعَ الشَّمْسُ مِنْ مَغْرِبِھَا ۔ (مسند احمد ص ۹۹ ج ۴) (سنن کبریٰ ص ۱۷ ج ۹)

اس حدیث میں جو مسئلہ بیان کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ آیا "ھجرة" کا سلسلہ منقطع ہو چکا ہے یا باقی؟ "ہجرت نام ہے اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنے وطن، دیار کو چھوڑنے کا۔ یہ جتنا مقدس عمل ہے اس کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ حضور نبی مکرم رحمتِ دو عالم ﷺ اور متعدد انبیاء اور رسل علیہم السلام نے اس عمل کو اپنایا اور دین اسلام کی خاطر اپنے دیار وطن کی قربانی دی۔ حضور علیہ السلام کی "ہجرت مدینہ" آپ ﷺ کی سیرت مطہرہ کا ایک جلی عنوان ہے اور آپ کی زندگی میں اس واقعہ سے قبل حضرات صحابہ علیہم الرضوان نے آپ ﷺ کی ہدایت کے پیش نظر حبشہ کی طرف دو مرتبہ ہجرت فرمائی اسی موقع پر کفار نے اپنا وفد شاہ حبشہ کے پاس بھیج کر مسلمانوں کو واپس منگوانا چاہا لیکن شاہ نے مسلمانوں سے بات کر کے ان کے تمام حالات سنے حضرت جعفرؓ نے بڑی مبسوط اور مفصل تقریر کی جس کی وجہ سے شاہ حبشہ نے کفار مکہ کے وفد کو نا کام واپس لوٹا دیا۔ بعض احادیث میں اس قسم کے ارشادات موجود ہیں کہ فتح مکہ کے بعد ہجرت کا قصہ ختم ہو گیا۔ "لا ھجرة بعد الفتح" اس قسم کی روایت کے پیش نظر یہ مسئلہ ہمیشہ زیر بحث رہا کہ آیا اب ہجرت ہے یا نہیں؟ یہی بات حضرت معاویہؓ نے بیداری کے بعد ان

حضرات سے معاملہ معلوم کیا تو آپ کو باہمی مذاکرہ سے آگاہ کیا گیا۔ آپ نے فرمایا کہ صحابہ علیہم الرضوان کو اس سلسلہ میں خود حضور علیہ السلام کے سامنے گفتگو کا موقع ملا۔ اس وقت بھی اس قسم کے خیالات تھے دورائیں تھیں لیکن حضور السلام کا ارشاد یہ تھا۔ کہ ہجرت ہے' ارشاد رسالت کا جو حصہ حضرت معاویہؓ نے نقل کیا۔ اس کا ترجمہ یہ ہے۔ ہجرت کا سلسلہ اس وقت تک منقطع نہیں ہوگا جب تک توبہ کا سلسلہ منقطع نہیں ہوگا۔ اور توبہ کا سلسلہ منقطع نہیں ہوگا جب تک سورج مغرب سے طلوع نہیں ہوگا'' قرب قیامت میں سورج مشرق کے بجائے مغرب سے طلوع ہوگا یہ وہ وقت ہوگا جب اجتماعی طور پر توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا (انفرادی طور پر توبہ کا دروازہ اس وقت بند ہوتا ہے جب آدمی جانکنی کے عالم میں مبتلا ہوتا ہے) اس وقت تک حضور علیہ السلام کے ارشاد کے مطابق ہجرت کا سلسلہ جاری رہے گا مقصد یہ کہ اعمال خیر اور اعمال شر کا سلسلہ اس وقت تک جاری رہنا ہے انہی میں ہجرت بھی ہے۔ رہ گیا وہ ارشاد جس میں ''فتح مکہ'' کے بعد ہجرت کے ختم ہونے کا ارشاد ہے۔ تو اس کا تعلق محض اس واقعہ سے ہے جسے احادیث وسیرت کی کتابوں ''واقعہ ہجرت'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس واقعہ کی اہمیت وعظمت جو کچھ ہے وہ مسلّم ہے اور اس کی عظمت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس کے قافلہ سالار خود حضور سرور کائنات علیہ السلام تھے اس واقع کا ملت کی نشاۃ ثانیہ میں جو موثر کردار ہے وہ ایک واضح اور ٹھوس حقیقت ہے۔

اُن چند در چند وجوہات کے پیش نظر جو اجر وثواب اور برکات اس ہجرت سے متعلق ہیں ظاہر ہے کہ بعد میں کسی واقع پر وہ ثمرات مرتب نہیں ہو سکتے۔ تاہم اس کا یہ بھی مطلب نہیں کہ یہ عمل خیر سرے سے ختم ہو گیا۔ وہ اپنی جگہ موجود ہے اور آج بھی اگر کہیں اس قسم کے واقعات پیش آجائیں اور مسلمان اپنے دین وایمان کی خاطر گھر سے نکل کھڑے ہوں تو ان کے اس عمل پر یقیناً اجر وثواب مرتب ہوگا۔ اور انہیں مہاجرین کی صف میں یقیناً جگہ ملے گی۔ یہی مقصد اس ارشاد رسالت کا جس کو حضرت معاویہؓ نے نقل کیا۔

توبہ :

(۴۳) عن ابی عبد ربہ اَنَّہُ سَمِعَ معاویۃ بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہما علی المنبر یحدث اَنَّہُ سَمِعَ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ واصحابہ وسلم یَقُولُ اَنَّ رَجُلًا

اَسْرَفَ عَلٰی نَفْسِهٖ فَلَقِیَ رَجُلًا فَقَالَ اِنَّ الْاٰخِرَ قَتَلَ تِسْعًا وَتِسْعِیْنَ نَفْسًا کُلُّهُمْ ظُلْمًا فَهَلْ تَجِدُ لِیْ تَوْبَةً فَقَالَ اِنْ حَدَّثْتُکَ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَتُوْبُ عَلٰی مَنْ تَابَ کَذَّبْتُکَ هٰهُنَا قَوْمٌ یَتَعَبَّدُوْنَ فَاْتِهِمْ تَعْبُدَ اللّٰهَ فَتَوَجَّهَ اِلَیْهِمْ فَمَاتَ عَلٰی ذَالِکَ فَاجْتَمَعَتْ مَلَائِکَةُ الرَّحْمَةِ وَ مَلٰئِکَةُ الْعَذَابِ فَبَعَثَ اللّٰهُ اِلَیْهِمْ مَلَکًا فَقَالَ قِیْسُوْا مَابَیْنَ الْمَکَانَیْنِ فَاَیُّهُمْ کَانَ اَقْرَبُ فَهُوَ مِنْهُمْ فَوَجَدُوْهُ اَقْرَبُ اِلٰی دَارِ التَّوَّابِیْنَ بِاَنْمَلَةٍ فَغَفَرَلَهٗ۔" (رواہ الطبرانی باسنادین احدھما جید)

ترغیب وترہیب نامی حدیث کی کتاب کے صفحہ ۷۸ ج ۴ سے یہ روایت نقل کی گئی ہے۔

امام منذری رحمہ اللہ تعالیٰ (صاحب ترغیب) نے طبرانی سے اس کو نقل کیا ہے۔۔۔ابی عبدربہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے بقول حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ نے منبر پر یہ بات ارشاد فرمائی کہ انہوں نے رسول مکرم نبی رحمت علیہ السلام سے سنا۔ آپ ارشاد فرماتے تھے کہ ایک شخص نے اپنے آپ پر بڑی ہی زیادتی کی۔ جس کے بعد وہ ایک دوسرے صاحب سے ملا اوران سے کہا کہ ایک شخص نے (یعنی خود اس نے) ننانوے آدمیوں کو قتل کیا ہے اور ان میں سے ایک شخص کا قتل بھی شرعاً جائز نہ تھا۔ سب کو ظلماً قتل کیا گیا ہے (مرتد، قاتل اور شادی شدہ زانی شرعاً قتل کئے جاتے ہیں) اب میرے لئے کوئی توبہ کی سبیل ہے؟ انہوں نے کہا کہ اگر میں یہ کہوں کہ جو شخص توبہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول نہیں فرماتے تو یہ تو جھوٹ ہوگا وہاں (کسی مخصوص مقام کی طرف اشارہ) کچھ اللہ کے بندے مصروف عبادت و بندگی ہیں وہاں چلے جاؤ تم بھی مصروف عبادت ہو جاؤ۔ وہ شخص (قاتل) اُدھر کو چلا تو وہاں پہنچنے سے پہلے اس کی موت ہوگئی۔ اب رحمت وعذاب کے فرشتے اکٹھے ہوگئے (ہر ایک اپنا حق جتلانے لگا) اللہ تعالیٰ نے ان کے پاس ایک فرشتہ کو بھیجا کہ جہاں سے چلا تھا وہاں سے اس جگہ تک جہاں توبہ کے لئے جانے کا خواہش مند تھا زمین کا ناپ لو جس طرف قریب ہو اس کا انجام اس طرف کے لوگوں کی مانند ہوگا۔ فرشتوں نے اسے دارِ توبہ (صلحاء کی جگہ) کے بہت معمولی قریب پایا۔ پس اللہ تعالیٰ نے اسے بخش دیا۔ حدیث کے الفاظ اور اس کا مفہوم وترجمہ آپ نے ملاحظہ فرمالیا بات بالکل واضح ہے ننانوے اشخاص کا قتل کتنا سنگین جرم ہے اس کا اندازہ ان قرآنی تصریحات سے ہوسکتا ہے جن میں ایک آدمی کے قتل کو پوری انسانیت کا قتل اور قاتل کے لئے جہنم، غضب الٰہی، لعنت اور عذاب عظیم کی وعیدیں ہیں۔ تاہم یہ بھی حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات بڑی غفور، رحیم اور مہربان ہے انسان صدق دل سے اس کے حضور توبہ کرے تو اس کے

گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ توبہ میں سابقہ زندگی پر ندامت' آئندہ کے لئے احتیاط لازمی اور ضروری ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ ساتھ کسی بندہ کا حق ضائع کیا ہے تو اس کی ادائیگی ضروری ہے اگر وہ آدمی موجود نہیں اور اس کے ورثاء بھی نہیں تو اس کے لئے بکثرت دعا اور حقوق مالی ہیں تو انہیں کسی مناسب جگہ دینا وغیرہ لازمی باتیں ہیں اور یہ حدیث تو یہاں تک بتاتی ہے کہ آدمی نے ندامت کا اظہار کیا' اسے احساس ہوا اور وہ اس ارادہ سے چلا لیکن دو چار ہاتھ لب بام جا کر اس کی زندگی کا پیمانہ لبریز ہو گیا تو اس کی مخلصانہ نیت ہی اس کے کام آئے گی۔۔۔رہ گیا اتنے آدمیوں کا قتل تو اللہ رب العزت اس بات پر قادر ہے کہ اپنے خزانہ غیب سے ان مقتولین کو راضی کر دے۔۔۔بہر حال حدیث خالق کائنات کی کریمی و رحیمی پر بڑی سند ہے۔ اور لا تقنطو امن رحمته الله کی بہترین ترجمانی و تفسیر! اللہ تعالیٰ گناہوں سے بچائے اور اگر گناہ ہو جائے تو توبہ کی توفیق دے۔

یاد الٰہی :

(۳۴) عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ خَرَجَ مُعَاوِيَةُ (بن ابی سفیان) رضی اللہ تعالیٰ عنہما عَلیٰ حَلْقَةٍ فِيْ الْمَسْجِدِ فَقَالَ مَا اَجْلَسَكُمْ ؟ قَالُوا جَلَسْنَا نَذْكُرُ اللہ تعالیٰ قَالَ آللہُ مَا اَجْلَسَكُم اِلَّا ذَالِكَ ؟ قَالُو آللہُ مَا اَجلَسنَا اِلَّا ذَالِكَ قَالَ اَمَا اِنِي لَمْ اَستَحلِفكُم تهمة لَكُمْ وَمَا كَانَ اَحد" بِمَنْزِلَتِي مِنْ رَسُولِ اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ واصحابہ وسلم اَقَلَّ حَدِيثاً عَنْ رَسُولِ اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ واصحابہ و سلم مِنِّي خَرَجَ رَسُولُ اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ واصحابہ وسلم عَلیٰ حَلْقَةٍ مِّنْ اَصحَابِہٖ فَقَالَ مَا اَجْلَسَكُمْ قَالُوا جَلَسْنَا نَذْكُرُ اللہ تَعَالیٰ وَنَحْمَدُهُ عَلیٰ مَا هَدَانَا مِنَ الْاِسلَامِ قَالَ آللہُ مَا اَجلَسَكُمْ اِلَّا ذَالِكَ؟ قَالُوا آللہُ مَا اَجلَسنَا اِلَّا ذَالِكَ قَالَ اَمَا اِنِي لَمْ اَسْتَحلِفكُم تُهمَةً لَكُم وَلٰكِنْ اَتَانِي جِبْرِيلُ فَاَخْبَرَنِي اَنَ اللہَ يُبَاهِي بِكُمُ الْمَلَائِكَةَ .

(کتاب الزہد والرقاق ص ۳۹۶)

حضرت ابوسعید الخدریؓ جو خود ایک جلیل المرتبت صحابی ہیں۔ ارشاد فرماتے ہیں کہ حضرت معاویہ بن ابی سفیان الاموی القرشیؓ گھر سے نکل کر مسجد تشریف لائے تو کچھ حضرات حلقہ کی شکل میں مسجد میں موجود تھے آپ نے ان سے اس طرح اس نشست کی وجہ معلوم کی تو انہوں نے کہا کہ ہم اللہ

تعالیٰ کے ذکر کے لئے اس طرح بیٹھے ہیں۔ حضرت معاویہؓ نے انہیں اللہ تعالیٰ کی قسم دے کر فرمایا کہ تمہارا بیٹھنا واقعی اسی غرض سے ہے؟ ان حضرات نے (اللہ تعالیٰ کی ان پر کروڑوں رحمتیں نازل ہوں) اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر فرمایا کہ ہاں اس کے علاوہ ہمارا بیٹھنے کا کوئی مقصد نہیں۔ حضرت معاویہؓ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے کسی تہمت کے سبب تمہیں قسم نہیں دی بلکہ اصل قصہ یہ ہے کہ کوئی شخص میری طرح حضور علیہ السلام سے کم روایت کرنے والا نہیں (باوجودیکہ اتنا تعلق اور ایسی قدرت ومنزلت بھی حاصل ہو، اور بڑے بڑے اجل اور جلیل المرتبت صحابہ کرام علیہم الرضوان کے قلیل الروایت ہونے کے کچھ خاص اسباب ہیں جن پر الگ سے کسی وقت تفصیلی گفتگو انشاء اللہ تعالیٰ کی جائے گی)۔ بالکل ایسی ہی شکل جناب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ پیش آئی۔ آپ گھر سے نکل کر مسجد تشریف لائے تو اس طرح مسجد میں اپنے عزیز و رفقاء کا حلقہ موجود پایا ان سے اس نشست کی جو وجہ معلوم کی تو انہوں نے عرض کیا کہ ہم یاد الٰہی کیلئے یوں بیٹھے ہیں اور مزید یہ کہ اس عظیم نعمت پر اللہ تعالیٰ کی حمد وتعریف کر رہے ہیں کہ اس نے کفر و شرک اور رواج پرستی کے اندھیروں سے نکال کر ہمیں دین اسلام کی روشنی نصیب فرمائی۔ حضور علیہ السلام نے انہیں قسم دے کر فرمایا کہ کیا تمہارا بیٹھنے کا مقصد یہی ہے اس کے علاوہ کوئی اور مقصد تو نہیں؟ ان حضرات نے کہا حاشاللہ ہمارا بالکل یہی مقصد ہے اس کے علاوہ کوئی اور مقصد نہیں ہم محض اسی کے لئے بیٹھے ہیں آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے کسی تہمت کی وجہ سے تمہیں قسم نہیں دی بلکہ اصل بات یہ ہے کہ میرے پاس حضرت جبریل امین علیہ السلام تشریف لائے اور مجھے اس بات کی خبر دی کہ اللہ تعالیٰ تمہارے عمل کی وجہ سے فرشتوں کے سامنے تم پر فخر اور خوشی کا اظہار فرما رہے ہیں۔ حدیث کا اس انداز سے ترجمہ ہم نے عرض کر دیا کہ وضاحت طلب باتیں درمیان میں آگئیں۔ انسان اشرف المخلوقات ہے اللہ تعالیٰ نے اسے اپنا نائب وخلیفہ بنایا ہے۔ وہ اگر اپنے مقام کو پہچان لے تو اس سے بڑھ کر کوئی سعادت کی بات نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بندے پر جتنا کرم کیا ہے اس کا لازمی تقاضہ یہ ہے کہ انسان اس کی یاد اس کے ذکر وفکر میں اپنا وقتِ عزیز (جو اسی کا عطیہ ہے) گزارے۔

سرور کائنات علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ "تمہاری زبانیں ہمیشہ اس کے ذکر سے تر رہنی چاہئیں اور خود آپ ﷺ کے متعلق امّ المومنین سیّدتنا عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ آپ ہمیشہ یاد الٰہی میں مستغرق رہتے کہ یہ شغل اتنا پسندیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کے سامنے اپنے ان بندوں پر فخر وخوشی کا

اظہار فرماتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں کہ میرے بندے میری یاد میں مشغول ہیں ۔۔۔دیکھا آپ نے جبریل امین علیہ السلام خبر لے کر آئے اور سرکار دو عالم ﷺ خود مسجد میں تشریف لائے اور ان اہل سعادت کو دیکھا' ان سے باتیں کیں اور خوشی کا اظہار فرمایا۔اللہ تعالیٰ اپنی یاد کی نعمت سے نوازے۔(آمین)

لیلۃ القدر :

۳۵۔ عن معاویۃ بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہما عَنِ النَّبِیِ صلی اللہ تعالیٰ علیہ واصحابہ وسلم فِیْ لَیْلَۃِالقَدْرِ قَالَ لَیْلَۃ" سَبع" وَعِشْرِیْنَ. (السنن الکبریٰ ج ۴ ص ۳۱۲)

سنن کبریٰ کے اسی صفحہ پر یہ روایت دو قسم کی اسناد سے منقول ہے۔الفاظ بھی ایک سے ہیں پہلی سند سے متعلق یہ اختلاف منقول ہے کہ بقول امام ابوداؤد طیالسی رحمہ اللہ تعالیٰ یہ موقوف روایت ہے اور بقول معاذ بن معاذ رحمہ اللہ تعالیٰ مرفوع ہے۔بات اتنی سی ہے کہ لیلۃ القدر کے متعلق تعین کے طور پر فرمایا کہ وہ ستائیسویں شب ہے۔

لیلۃ القدر کا ذکر قرآن مجید میں بھی ہے۔القدر کے نام سے سورۃ موجود ہے۔جس میں ارشاد ہے کہ ہم نے قرآن مجید کو لیلۃ القدر میں اتارا ہے اور تمہیں کیا معلوم کہ لیلۃ القدر کیا ہے؟ پھر خود ہی فرمایا' یہ ایک ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔قرآن کریم کا ابتدائی نزول (لوح محفوظ سے آسمان دنیا تک) وہ رمضان کی اسی بابرکت رات میں ہوا۔احادیث میں اس رات کا بہت چرچا ہے۔ایسی روایات بھی ہیں جن میں ارشاد ہے کہ تمہیں متعین طور پر بتلانے کے لئے گھر سے نکلا کہ یہ رات کونسی ہے تو مسجد میں دو صاحب اختلاف کے عمل مشغول تھے۔اس کی وجہ سے سرکار فرماتے ہیں کہ میں نسیان کا شکار ہو گیا۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ کی ایک روایت کے مطابق حضور علیہ السلام نے رمضان المبارک کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں اس رات کو تلاش کرنے کا حکم دیا۔(بخاری)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے اسی قسم کی ایک روایت بخاری ومسلم میں موجود ہے اور امام احمدؒ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے بھی اس کے قریب قریب ایک روایت نقل کی۔بخاری ومسلم کے مطابق ایک روایت ہے جس میں راوی نے کہا ہے کہ جس رات کو آپ نے شب قدر دیکھی تھی اس رات کو مینہ

برستا تھا' مسجد کی چھت کھجوروں کی شاخوں کی تھی اس لئے چھت ٹپکی تھی۔ اور حضور علیہ السلام کی پیشانی پر مٹی اور پانی کا نشان تھا۔ اس روایت کے آخر میں جا کر راویوں کا اختلاف ہو گیا۔

ایک روایت میں اکیسویں رات کا لفظ ہے ایک میں تیسویں کا۔ امام مسلمؒ نے زر بن حبیشؓ سے نقل کیا کہ میں نے حضرت ابی بن کعبؓ سے پوچھا کہ تمہارے دینی بھائی حضرت عبداللہ بن مسعود کا کہنا ہے کہ جو شخص سال کی تمام راتوں میں عبادت کرے گا وہ شب قدر کو پالے گا۔ حضرت ابی بن کعبؓ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان پر رحم کرے انہوں نے لوگوں کو سستی سے بچانے کی غرض سے سارے سال کی بات کر دی۔ ورنہ واقعہ یہ ہے کہ انہیں معلوم تھا کہ وہ رمضان میں ہے اس کے آخری عشرہ میں ہے اور ستائیسویں رات ہے انہوں نے ان سے اس کی دلیل معلوم کی تو انہوں نے کہا کہ میں ان علامات کی بنیاد پر ایسا کہہ رہا ہوں کہ وہ ستائیسویں رات ہے جو حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمائیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ اس رات کی صبح کو آفتاب نکلتا ہے تو اس میں روشنی نہیں ہوتی' یعنی بہت کم ہوتی ہے (تمازت نہیں ہوتی) شب قدر سے متعلق آپ کی دعا یہ منقول ہے: اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ تُحِبُّ العَفْوَ فَاعْفُ عَنِّی۔ ہم نے حدیث کی مشہور کتاب مشکوٰۃ شریف کے باب شبقدر کی اکثر روایات کا خلاصہ نقل کر دیا ہے جس سے معاملات میں ایک خاص رخ متعین ہوتا ہے۔ اس رات کی فضیلت بے پناہ ہے اس میں تو کلام ہی نہیں' خود قرآن نے اسے ایک ہزار مہینوں سے بہتر قرار دیا۔ حضور علیہ السلام کا اپنا عمل' تجسس اور تاکیدی ہدایات بھی اس کی غماز ہیں' واضح تعین اٹھا لیا گیا۔ اس میں جہاں لوگوں کو غفلت سے بچانا ہے کہ وہ متعینہ رات پر بھروسہ کر کے نہ بیٹھ جائیں وہاں جھگڑے والے واقعہ کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ جھگڑا کی نحوست کیسے کیسے مسائل جنم دیتی ہے ہاں حضرت ابی بن کعبؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے ارشادات کی روشنی میں ستائیسویں شب کی طرف رجحان کے بکثرت ہونے پر دلیل قائم ہو سکتی ہے ایسا ہی معاملہ حضرت معاویہؓ کا ہے۔ ان حضرات کو کسی خاص موقع پر سرکار دو عالم علیہ السلام نے بتلایا، انہوں نے آپ کی بتلائی ہوئی نشانیوں اور علامات سے از خود اس بات کا مشاہدہ کیا اور اپنے مشاہدہ کو سرکار سے عرض کر کے تصویب چاہی کوئی نہ کوئی بات ضرور ہے ورنہ ستائیسویں کی بات بلا وجہ نہیں۔ تاہم عبدیت کا تقاضہ یہ ہے کہ آدمی ایک رات پر قناعت کر کے نہ

بیٹھ جائے بلکہ جدوجہد کا عمل جاری رکھے حتّٰی کہ بقول حضرت ابن مسعودؓ سارا سال یہ تلاش و تجسس جاری رہنا چاہیے۔ جبکہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے امت کی سہولت کے لئے آخری عشرہ کی طاق راتوں جو محض پانچ ہیں کی بات کہہ کر کرم فرمایا اور اپنی رحمۃ اللعالمین کے صدقہ امت کے لئے آسانی کا سامان فراہم کیا۔

رمضان بالعموم اللہ تعالیٰ کی عنایت کا مہینہ ہے۔ اس آخری عشرہ میں ''عتق و من النار'' جہنم سے آزادی کا ہے اور یہ رات تو سبحان اللہ۔۔۔ آدمی کو چاہیے کہ سرکارِ دو عالم علیہ السلام کی طرح کمرِ ہمت کس لے۔ ذرا سی ہمت کی ضرورت ہے اپنی رحمت کے دامن میں خود ڈھانپ لے گی۔

ترک گناہ بھی ہجرت ہے:

(۳۶) عَنْ شریح بن عبید یردہ الی مالک عن ابن السعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ و عنہم اَنَّ النَّبِیَّ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و اصحابہ وسلم قَالَ لَا تَنْقَطِعُ الْھِجْرَۃُ مَادَامَ الْعَدُوُّ یُقَاتِلُ فَقَالَ مُعَاوِیَۃُ بن ابی سفیان و عبدالرحمٰن بن عوف و عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہم اَنَّ النَّبِیَّ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و اصحابہ وسلم قَالَ اِنَّ الْھِجْرَۃَ خَصْلَتَانِ اِحْدٰھُمَا اَنْ تَھْجُرَ السَّیِّاٰتِ وَالْاُخْرٰی اَنْ تُھَاجِرَ اِلَی اللہِ وَرَسُوْلِہٖ وَلَا تَنْقَطِعُ الْھِجْرَۃُ مَا تُقُبِّلَتِ التَّوبَۃُ وَلَا تَزَالُ التَّوبَۃُ مَقْبُوْلَۃً'' حَتّٰی تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنَ الْمَغْرِبِ فَاِذَا طَلَعَتْ طُبِعَ عَلٰی کُلِّ قَلْبٍ بِمَا فِیْہِ وَکَفَی النَّاسُ الْعَمَلَ۔

(الفتح الربانی ص ۲۹۹ ج ۲ بحوالہ بلوغ الامانی و رجالہ ثقات)

اس قسم کی ایک روایت اس سے قبل بھی گزر چکی ہے۔ اس میں بعض چیزیں چونکہ زائد ہیں۔ اس لئے ان زائد چیزوں کی تشریح و وضاحت کے لئے یہ سطور قلم بند کی جارہی ہیں۔ پہلے عرض کیا گیا تھا کہ بعض احادیث سے لوگوں کو جو یہ شبہ ہوتا ہے کہ ہجرت کا سلسلہ منقطع ہوگیا یہ صحیح نہیں ان احادیث سے مراد صرف وہ ہجرت ہے جو مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کی طرف کی گئی۔ اس کی خصوصیات کے پیش نظر اس کا جو ثواب ہے اور اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو اجر مرتب ہوا وہ یقیناً بعد والوں کو نہیں مل سکے گا۔ لیکن جہاں تک مطلق ہجرت کا تعلق ہے گذشتہ حدیث میں بھی یہ مضمون نقل کیا گیا اور اب بھی اس کا خلاصہ عرض ہے کہ جب تک سورج مشرق کے بجائے مغرب سے طلوع نہیں ہوتا اس وقت تک ہجرت ہی نہیں

ہر نیک عمل کا سلسلہ جاری رہے گا اور جب وہ گھڑی آجائے گی تو بس یوں سمجھیں کہ قیامت کی تمہید سامنے آگئی اس وقت ہجرت سمیت کوئی عمل صالح مقبول نہیں ہوگا۔ یہ قیام قیامت کی اتنی بڑی علامت و نشانی ہوگی کہ اس کے بعد ''ایمان بالغیب'' کا قصہ ہی ختم ہوجائے گا اور اب ''ایمان با لمشاھدہ'' کی بات ہوگی اور ظاہر ہے کہ جس ایمان پر نجات اخروی کا مدار ہے وہ ''ایمـان بـالغیب'' ہے۔ نہ کہ ''ایمان بالمشاھدہ''۔

اس حدیث میں ہجرت کی دو قسمیں بیان فرمائی گئی ہیں ایک تو وہی جس کا تفصیلی ذکر پہلے اور مختصر ذکر اب ہو چکا۔ دوسری ہجرت جواب بیان ہوئی وہ ہے ''گناہوں کا ترک'' ان دونوں قسم کی ہجرتوں میں جو لطیف مناسبت ہے اہل علم پر وہ مخفی نہیں۔ وہ ہجرت یعنی اپنے گھر بار کو چھوڑنا وہ بھی وہیں ہوتی ہے جہاں کوئی خطہ ارضی نیکی وتقویٰ کے لئے تنگ ہوجائے ایسی جگہ سے ہجرت کر جانا اور ایسی جگہ جا بسنا جہاں آدمی اپنے دین وایمان کے تقاضوں کو پورا کر سکے ضروری ہے اور جو لوگ کسی شرعی عذر کے بغیر اس قسم کے دارالکفر میں پڑے رہے اور بہت سی بنیادی باتوں سے محروم رہے۔ انہیں ہی قیامت کی صبح کہا جائے گا کہ'' اَلَمْ تَـكُنْ اَرْضُ اللهِ وَاسِعَةً فَتُهَا جِرُوا فِيهَا'' کیا اللہ کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم وہاں چلے جاتے۔ تو جب ایسی زمین سے ہجرت ضروری ہے جہاں آدمی نیکی وتقویٰ کی زندگی نہ گزار سکے تو اپنے طور پر گناہوں کا ترک کتنا ضروری ہوگا؟ یہی وجہ ہے کہ ''گناہوں کا ترک'' کو بھی ایک طرح کی ہجرت قرار دیا گیا ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ اپنے نفس کی خرابیوں اور برائیوں سے لڑنا جہاد ہے۔ بلکہ اسے ''جہاد اکبر'' کہا گیا ہے۔ اور دشمن سے لڑائی کو ''جہاد اصغر''۔ ایک غزوہ سے حضور علیہ السلام کی واپسی ہوئی تو فرمایا'' رَجَعْـنَـا مِـنَ الـجِهَـادِ الْا صْـغرِ اِلَى الجِهَادِ الْاكْبرِ'' کہ دشمن کے مقابلہ میں جہاد اصغر سے ہم جہاد اکبر کی طرف لوٹ رہے ہیں اور اس کی تعبیر ''جہاد بالنفس'' سے فرمائی گئی کیونکہ آدمی کے لئے سب سے بڑا مسئلہ شیطان ونفس کی فریب کاریوں کا ہے۔ حدیث کے بقول شیطان انسان کی رگوں میں دوڑتا ہے اور نفس تو ہے ہی۔ نفس سے لڑائی اور گناہوں سے گریز یہ ایسی ہجرت ہے کہ آدمی اگر ایسا کر گزرے اور توفیق الٰہی سے اسے یہ سعادت نصیب ہوجائے تو اس سے بڑی کوئی خوش قسمتی نہیں ---- یہ روایت جس کے راوی بقول ائمہ حدیث صحیح اور ثقہ ہیں ہمیں دعوت فکر دے رہی

ہے کہ ہم اس ہجرت کی طرف توجہ کریں جسے حضور علیہ السلام نے ''ترک گناہوں'' کے مترادف قرار دیا۔ اللہ تعالیٰ حسنِ عمل اور حسنِ توفیق سے نوازے۔ آمین!

سجدہ سہو :

(۳۷) عن معاویة بن ابی سفیان انَهُ صَلی اِمَامُهُمْ فَقَامَ فِیْ الصَلٰوةِ وَعَلَیهِ جلُوس'' فَسبحَ النَاسُ فتَمَ عَلیَ قِیَامِهِ ثُمَ سَجَدْنَا سَجْدَتَیْنِ وَهُوَ جَالِس'' بَعْدَ اِنْ اتَمَ الصَلاةَ ثُمَ قَعَدَ عَلیَ المِنْبَرِ فَقَالَ سَمِعْتُ رَسُول اللّٰهِ صلی اللّٰه تعالیٰ علیه و اصحابه وسلم یَقُولُ مَنْ نَسِیَ مِنْ صَلاتِهِ شَیئاً فَلْیَسْجُدْ مِثْلُ هَاتَیْنِ السَجْدَتَیْنِ .

(مسند احمد ص ۱۰۰ ج ۴۔ السنن الکبریٰ ص ۳۳۵ ج ۲)

نماز کے اہم ترین مسائل میں سے ایک اہم مسئلہ سجدہ سہو کا ہے۔ بھول چوک کی وجہ سے نماز میں جو کوتاہی یا نقص واقع ہو جاتا ہے اس کی تلافی کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ طریقہ تعلیم فرمایا ہے کہ آخری قعدہ میں تشہد کے بعد ایک طرف سلام پھیر کر پھر سے دو سجدے کئے جائیں اور اس کے بعد نماز معمول کے مطابق ختم کر دی جائے۔ اگر نماز میں کوئی ضروری چیز ترک ہو جائے جیسے قیام یا قرأت یا رکوع یا سجدہ وغیرہ جو چیزیں ارکان نماز میں شمار ہوتی ہیں تو ایسی شکل میں وہ نماز سرے سے ہوتی ہی نہیں اسے از سرِ نو پڑھنا ہوگا۔ ہاں جو چیزیں واجب ہیں انمیں سے کوئی رہ جائے تو ایسی شکل میں اس کی تلافی سجدہ سہو سے ہو سکتی ہے۔ مثلاً قعدہ اولیٰ کا مسئلہ ہے کہ وہ واجب ہے۔ دوسری رکعت کے سجدہ ثانی سے فارغ ہونے کے بعد قعدہ اولیٰ کے لئے بیٹھنا ضروری تھا لیکن بھولے سے بیٹھ نہیں سکا کھڑا ہو گیا تو اب حسب طریقہ قعدہ اخیرہ میں تشہد پڑھ کر سجدہ سہو کر لے تو نماز پوری ہو جائے گی۔ یا مثلاً وتر کی نماز دعائے قنوت اور اس کے لئے تکبیر کا جہاں تک تعلق ہے تو وہ واجب ہے اس کا ترک ہو گیا تو سجدہ سہو سے کام بن جائے گا۔ جو روایت آپ نے مسند احمد اور السنن الکبریٰ کے حوالہ سے ملاحظہ فرمائی اس میں یہی بات ہے کہ امام عادل وہادی حضرت معاویہؓ نے نماز پڑھائی تو ایسے مقام پر وہ کھڑے ہو گئے جہاں بیٹھنا ضروری تھا (جیسا کہ ہم نے ابتداء میں اشارہ کیا۔ ایسا موقعہ تشہد اولیٰ کا ہی ہو سکتا ہے۔ ایسا ہو جائے تو پلٹ کر بیٹھ نہ جائے کہ اس سے نماز خراب ہو جائے گی بس جب بھول کر کھڑا ہو ہی گیا تو اب باقی نماز کی تکمیل کرے

اور آخر میں سجدہ سہو کر لے لیکن اگر قعدہ اخیرہ کی بات تھی۔ اس کے لئے بیٹھنے کی بجائے کھڑا ہو گیا تو اب یاد دہانی پر بیٹھ جائے کیونکہ اب کھڑا ہونے کا کوئی سلسلہ نہیں کہ اس کے بعد نماز ختم ہو جائے گی۔

یہ مسئلہ بھی ذہن میں رہے کہ فرائض وارکان کی جو ترتیب ہے اس میں تاخیر سے بھی سجدہ سہو ضروری ہو جاتا ہے۔ لوگوں نے تسبیح پڑھ کر کے یاد دہانی کرائی (یہ مقتدیوں کے لئے ہے کہ وہ تسبیح کہہ کر امام کو یاد دہانی کرائیں چونکہ مقتدی تو چپ ہی رہتے ہیں۔ جب وہ تسبیح پکاریں گے تو امام چوکنا ہو جائے گا اور اس کو معلوم ہو جائے گا کہ مجھ سے کیا گڑبڑ ہوئی) اس یاد دہانی پر حضرت معاویہؓ بیٹھے تو نہیں بلکہ آپؓ نے قیام کو پورا کیا اور پھر آخر میں جب بیٹھے دو سجدے کئے (یہی سجدہ سہو ہے) جب نماز مکمل ہو گئی تو آپ منبر پر تشریف لے گئے۔ اور خطبہ دیا۔ (مقصد عوام کو سمجھانا تھا تا کہ وہ چہ میگوئیوں میں پڑ کر پریشان نہ ہوں) اور فرمایا کہ میں نے جناب سرورِ کائنات علیہ السلام سے بذاتِ خود سنا ہے۔ آپ ﷺ ارشاد فرماتے تھے کہ جو شخص نماز سے کوئی چیز بھول جائے (واجبات نہ کہ ارکان) تو وہ اس طرح دو زائد سجدے کرے۔ اللہ تعالیٰ کا ہم پر بڑا کرم ہے کہ نماز جو معراج کا تحفہ ہے اور جس کی مقدار پچاس سے پانچ رہ گئی لیکن اجرا تنا ہی رہا اس میں بیماری، مسافرت اور بھول چوک مختلف النوع رعایتیں دے دیں تا کہ لوگ اس فریضہ خداوندی کو خوش اسلوبی سے ادا کر سکیں۔ یہ ضرور ہے کہ بقائی ہوش وحواس بلوغت کے بعد نماز کی چھٹی کسی شکل میں نہیں اور اسلام میں نماز کی جو اہمیت ہے وہ معلوم ہے کہ حضور علیہ السلام نے اسے کفر واسلام کے درمیان فرق کرنے والی چیز ارشاد فرمایا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں نماز کے مسئلہ اپنی ذمہ داریاں نبھانے کی توفیق دے۔ آمین!

مصنوعی بال:

(۳۹) عن حميد بن عبدالرحمٰن انه سمع معاوية بن ابی سفيان (رضی الله‌تعالیٰ عنه و عنهم) عَامَ حَجَّ عَلَى الْمِنْبَرِ فَتَنَاوَلَ قُصَّةً مِّنْ شَعْرٍ وَكَانَتْ فِي يَدِ حَرَسِيٍّ فَقَالَ يَا اَهْلَ الْمَدِيْنَةِ اَيْنَ عُلَمَاءُ كُمْ؟ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صلى الله تعالىٰ عليه واصحابه وسلم يَنْهَى عَنْ مِثْلِ هٰذِهٖ وَيَقُوْلُ اِنَّمَا هَلَكَتْ بَنِي اِسْرَائِيلَ حِيْنَ اِتَّخَذَ هٰذِهٖ نِسَاءُ هُمْ.

(بخاری ص ۴۹۳ ج ۱، مسند احمد ص ۹۵ ج ۴، السنن الکبریٰ ص ۲۹۰ ج ۴)

عورتوں کی ایک بد عادت ہوتی ہے یعنی مصنوعی طریقہ سے بالوں کو بڑھانا۔اس عادت کے مکروہ ہونے کے لئے اتنی بات کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سچے نبی نے اس کو بڑی مکروہ چیز قرار دیا۔بنو اسرائیل کی ہلاکت کے اسباب میں سے ایک سبب قرار دیا۔جو روایت آپ نے ملاحظہ فرمائی یہ بخاری' مسند احمد اور السنن الکبریٰ جیسی اہم ترین کتابوں میں موجود ہے اور بخاری ص ۴۹۶ ج ا کی ایک روایت میں ''قصته من شعر'' کے بجائے ''کبته من شعر'' کے الفاظ ہیں اور اس میں ہے کہ حضور نبی کریم محمد عربی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسے ''السزور'' قرار دیا یعنی جھوٹی اور لایعنی وفضول بات۔اور اس کی تشریح فرمائی۔''الوصال فی الشعر''۔

روایت کا مدعا یہ ہے کہ حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ حج سے فراغت کے بعد مدینہ طیبہ تشریف لائے۔وہاں آپ نے اس قسم کی کیفیت دیکھی اور انہیں معلوم ہوا کہ بعض عورتوں نے یہ دھندا شروع کر رکھا ہے تو وہ سخت ناراض ہوئے منبر پر تشریف لائے' خطبہ دیا اور فرمایا یہاں کے علماء کہاں ہیں؟ وہ اس صورتِ حال سے واقف نہیں؟ آخر وہ اس بے راہ روی پر کیوں نہیں ٹوکتے؟ میں نے تو نبی کریم ﷺ سے سنا ہے کہ آپ ﷺ اس قسم کی باتوں سے روکتے اور منع فرماتے تھے اور آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا کہ بنی اسرائیل کی عورتوں نے جب ایسا کرنا شروع کر دیا تو ان کے سر پر ہلاکت و بربادی مسلط ہوگئی۔اور دوسری روایت جس کا ہم نے اشارہ کیا' اس میں حضرت سعید بن المسیب رحمہ اللہ تعالیٰ کے بقول یہ حضرت معاویہؓ کے آخری سفر مدینہ طیبہ کا واقعہ ہے۔اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ حرکت یہود کے بغیر کوئی اور نہیں کر سکتا اور حضور علیہ السلام اسے ''الزور'' قرار دیتے۔

اصل بات یہ ہے کہ اس طرح کا طرزِ عمل اللہ تعالیٰ کی تخلیق کو جھٹلانا ہے۔شیطان نے انسانیت کی گمراہی کے لئے جو کام کرنے کا واضح اعلان کیا تھا کہ میں ''تغیر لخلق اللہ'' کا عمل بھی کروں گا اس میں داڑھی منڈوانا' عورتوں کا مصنوعی طریقہ پر بال بڑھانا اور ہر وہ کام ہے جو اس ضمن میں آتا ہے۔حضور علیہ السلام نے کسی دوسری قوم کے ساتھ تشبیہ پر سخت وعید ارشاد فرمائی اور فرمایا کہ جو قوم کسی دوسری قوم کے ساتھ تشبیہ اپنائے گی اس کا انجام وحشر اسی کے ساتھ ہوگا۔آپ نے ایسی عورتوں اور ایسے مردوں پر لعنت فرمائی ہے جو اپنی جنس کے وظائف زندگی کو چھوڑ کر غیر جنسی وظائف زندگی کو

اپناتے ہیں۔ آج کل ہمارے معاشرے میں جس قسم کی بے راہ روی ہے وہ بالکل واضح ہے کہ مرد اپنی خدا داد شکل وصورت، اپنے مردانہ جوہر اور صفات فیشن کی بھینٹ چڑھا چکے ہیں تو عورتیں اپنا قدرتی حسن و جمال اور اپنی حیات وعفت اور شرم وحیا کو بیچ چوراہے کے تباہ کر چکی ہیں۔

بقول اکبر الہ آبادی مرحوم .... ؎

خدا کے فضل سے دونوں میاں بیوی مہذب ہیں
حیا اس کو نہیں آتی انہیں غصہ نہیں آتا

قابل احترام خواتین کا فرض ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ صفات کی حفاظت کریں، اس کی تخلیق پر راضی رہیں اور مصنوعی ہتھکنڈوں سے کام لے کر اپنے آپ کو شمع محفل بنانے سے گریز کریں ایک بات بطور خاص عرض کر دوں گو وہ اس حدیث سے متعلق نہیں کہ ناخن پر لگائی جانے والی پالش سے نہ تو وضو ہوتا ہے نہ غسل، جو عورتیں ایسا کرتی ہیں وہ طہارت و پاکیزگی سے ہمیشہ محروم رہتی ہیں۔ انہیں اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے اور اس مکروہ چیز سے بچنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے حال پر رحم فرمائے۔ آمین!

مقام صدیق اکبرؓ:

۴۰۔ عن معاویة بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ واصحابہ وسلم صُبُّوا عَلیَّ مِنْ سَبْعِ قُرُبٍ مِنْ آبَارٍ شَتّٰی حَتّٰی اَخْرُجَ اِلَی النَّاسِ فَاَعْهَدَ اِلَیْهِمْ قَالَ فَخَرَجَ عَاصِباً رَاْسَهٗ صلی اللہ تعالیٰ علیہ واصحابہ وسلم حَتّٰی صَعِدَ الْمِنْبَرَ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَاَثْنٰی عَلَیْهِ ثُمَّ قَالَ اِنَّ عَبْدًا مِنْ عِبَادِ اللّٰهِ خُیِّرَ بَیْنَ الدُّنْیَا وَبَیْنَ مَا عِنْدَ اللّٰهِ فَاخْتَارَ مَا عِنْدَ اللّٰهِ فَلَمْ یَلْقَنْهَا اِلَّا اَبُوْ بَکْرٍ فَبَکٰی فَقَالَ نَفْدَیْکَ بِاٰبَائِنَا وَاُمَّهَاتِنَا وَاَبْنَائِنَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ تعالیٰ علیہ واصحابہ وسلم عَلٰی سَلْکَ اَفْضَلَ النَّاسِ عِنْدِیْ فِی الصُّحْبَةِ وَذَاتَ الْیَدِ اِبْنُ اَبِیْ قُحَافَةَ اُنْظُرُوْا هٰذَا الْاَبْوَابَ الشَّوَارِعَ فِی الْمَسْجِدِ فَسُدُّوْهَا اِلَّا مَا کَانَ مِنْ بَابِ اَبِیْ بَکْرٍ فَاِنِّیْ رَاَیْتُ عَلَیْهِ نُوْرًا۔

(رواہ الطبرانی فی الاوسط.......والکبیر........واسنادہ حسن مجمع الزوائد ص۴۲ ج۹)

حضور نبی مکرم رحمت دو عالم شافع محشر صلوات اللہ تعالیٰ علیہ وسلامہ کی زندگی کے آخری ایام

کی بات ہے جس کو اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے۔ آپ علالت کا شکار تھے۔ اپنے وجود پاک پر پانی بکثرت بہانے کا آپ نے ارشاد فرمایا کیونکہ گرمی کے بخار کا یہ ایک علاج ہے۔ دوسری احادیث میں بھی اس کا ذکر ہے۔۔۔۔۔ اور ہم نے اپنے اساتذہ سے یہ بات سنی کہ دارالعلوم دیو بند کے پہلے طالب علم اور محدث کبیر شیخ الہند مولانا محمود حسن قدس سرہ' بخار کے عالم میں ٹیوب ویل کے نیچے بیٹھ جاتے اور خوب پانی اپنے اوپر بہاتے۔۔۔۔ حضور علیہ السلام کے اعمال کے ساتھ ان لوگوں کے شغف کا عجیب عالم تھا۔ اس کے بعد آپ ﷺ کو ذرا افاقہ ہوا تو آپ ﷺ مسجد تشریف لائے سر مبارک پر شدت درد کی وجہ سے کپڑا لپٹا ہوا تھا ایسے جیسے پٹی باندھی جاتی ہے۔ مسجد تشریف لانے کے بعد بقول حضرت امیر معاویہ بن ابی سفیانؓ آپ ﷺ منبر پر تشریف لے گئے۔ حسب عادت وطریقہ اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کی اس کی تعریف فرمائی اور پھر ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے ایک بندے کو دو باتوں میں سے ایک کا اختیار دیا یعنی دنیا میں رہ لے یا اللہ تعالیٰ کے پاس جو کچھ ہے اسے لے لے۔ بندہ سے مراد خود حضور نبی مکرم علیہ السلام کی ذاتِ گرامی تھی۔ آپ ﷺ نے اشارۃً بات فرمائی تا کہ وضاحت کے ساتھ بات کرنے سے صحابہ علیہم الرضوان اس بات کو سن کر صدمہ سے نڈھال نہ ہو جائیں باقی انبیاء علیہم السلام کی یہ خصوصیت ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں اس طرح ارشاد فرماتے ہیں لیکن وہ بندگانِ کامل ''ما عند اللہ'' کو اختیار فرماتے ہیں۔۔۔۔ چنانچہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اس بندہ نے ''ما عند اللہ'' کو اختیار کر لیا ہے۔ یہ لطیف اشارہ تھا اپنے دنیا سے تشریف لے جانے کا 'اسے ایک ابو بکر صدیق اکبر علیہ الرضوان سمجھے' جو واقعۃً مزاج شناس تھے اور وہ رونے لگے اور کہنے لگے کہ اے اللہ کے پیغمبر ﷺ! ہمارے ماں باپ اور ہماری اولادیں آپ ﷺ پر قربان ہوں (یہ کیا ماجرا وقصہ ہے۔ ہمیں اس طرح غم واندوہ کی بات کیوں سنائی جارہی ہے) حضور نبی مکرم علیہ السلام سے حضرت ابو بکرؓ کا غم وصدمہ نہ دیکھا گیا آپ ﷺ نے انہیں تسلی وتشفی دی اور اس حقیقت کا ایک بار پھر اعلان فرمایا کہ جن جن لوگوں کو میری رفاقت وصحبت نصیب ہوئی ان میں تنہا ابو بکرؓ ہیں جن کا معاملہ ایسا ہے کہ بس وہ اپنی مثال آپ ہیں اور ابو بکرؓ کو جو عزت ورفعت حاصل ہے اس کا عملاً مظاہرہ یوں ہوگا کہ مسجد کی طرف جن جن لوگوں کے دروازے ہیں وہ سب بند کر دیے جائیں۔ جب مسجد نبوی ﷺ بنی اور اس کے ارگرد لوگوں کے مکانات بنے تو لوگوں نے نماز کی سہولت کی غرض سے مختصر سے دروازے مسجد کی طرف سے رکھ لئے۔

ہاں ابوبکرؓ کا دروازہ کھلا رہے گا کیونکہ یہ ایسا دروازہ ہے جس پر مجھے نور نظر آتا ہے۔ اللہ اللہ مقام صدیقیت! کیا اعزاز ہے حضرت صدیق اکبرؓ کا؟ اور کیا مقام حاصل ہے انہیں سرکارِ دو عالم علیہ السلام کے نزدیک' کہ ان کا دروازہ تو کھلا رہے باقی سب بند ہو جائیں۔ اس اعتماد کی بات ہے کہ آپ نے اپنے مصلّٰی پر انہیں کھڑا کیا اور حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ ارشاد فرماتے کہ جس ذات گرامی کو ہمارے آقا و مولےٰ نے ہمارے دین کی خاطر پسند فرمایا ہم نے اپنی دنیا کے خاطر اسے پسند کیا۔۔۔ یعنی خلافت کے معاملہ میں بغیر کسی اختلاف کے اس کو اپنا امام و امیر چن لیا۔ فرضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

سونے چاندی اور ریشم وغیرہ کا استعمال :

(۴۰) عَنْ معاویة بِن اَبِی سُفْیَان رضی اللہ تعالیٰ عنھما قَالَ نَھٰی رَسُولُ اللّٰہِ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و اصحابہ وسلم عَنِ النُّوحِ وَالشِّعْرِ وَالتَّصَاوِیرِ وَجُلُودُ السِّبَاعِ وَالتَبَرُّجِ وَ الغِنَاءِ وَالذَّھَبِ وَالخزِ وَالْحَرِیرِ قَالَ السِّیُوطِیّ حَدِیثٌ حَسَنٌ. (حم ص۱۹۱ ج۲)

حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ کی مرویات میں ایک روایت اس سے پہلے ایسی گزری جس میں سونے چاندی کے برتنوں میں مشروبات پینے' سونا اور ریشم پہننے' چیتے کی کھال پر نشست جمانے' متعہ اور پختہ عمارات سے روکا گیا تھا۔ اس روایت میں نوح' شعر اور تصاویر' جلود السباع' تبرج' غنا' ذھب' اور خز و حریر سے روکا گیا ہے گویا ذھب (سونا) اور حریر (ریشم) تو وہ چیزیں ہیں جو پہلے گزر چکے ہیں اور اس روایت میں ''جلود (چیتے کی کھال) کا ذکر تھا لیکن اس میں مطلق جلود سباع (درندوں کی کھال) کا ذکر ہے ''نوح'' کا معنی ہے مردے پر آواز سے رونا' اس دنیا میں جو آیا ہے اسے جانا ہے جانے والے کی موت پر غم اور صدمہ تو طبعی چیز ہے اور محض آنکھوں سے صدمہ کا اظہار خود حضور علیہ السلام سے ثابت ہے لیکن جزع و فزع شور و ہنگامہ اور اس طرح کی چیزیں مطلق حرام ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ صدمہ کے وقت جو چہرے کو پیٹے' کپڑے پھاڑے اور جاہلانہ آوازیں نکالے اس کا میرے ساتھ کوئی تعلق نہیں' کفر کے زمانہ میں باقاعدہ اس قماش کی عورتیں موجود تھیں جو باقاعدہ پیسے لے کر اور مزدوری پر رونا دھونا کرتی تھیں۔ اس رسم بد کو اسلام نے مٹایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے سختی سے روکا۔

دوسری بات شعر و شاعری کی ہے۔ قرآن عزیز نے ایک جگہ تو فرمایا ہے کہ ہم نے پیغمبر

ﷺ کو نہ تو شعر سکھلائے اور نہ شعر اس کے لائق و مناسب ہیں۔۔۔۔ اور ایک جگہ ہے کہ شعراء کے متبعین گم کردہ راہ ہوتے ہیں کہ ہر وادی میں بھٹکتے پھرتے ہیں۔ مشاہدہ یہ ہے کہ جس شخص کو یہ لت پڑ جاتی ہے اس کی زندگی روایتی حزم واحتیاط اور تقویٰ وتدین سے محروم ہوتی ہے۔ الا ماشاء اللہ! اللہ تعالیٰ جس پر کرم کردے اس کا معاملہ جدا ہے اور ایسے لوگ بہت کم ہوتے ہیں جو شاعری وتدین دونوں باتوں میں اپنا ایک مقام رکھتے ہیں۔ تصویر کا مسئلہ واضح ہے۔ حضور علیہ السلام نے اسے بدترین جرم بتلایا آپ نے فرمایا۔ جس گھر میں کتایا تصویر ہو وہاں اللہ تعالیٰ کی رحمت کے فرشتے نازل نہیں ہوتے۔ ایک حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن سب سے زیادہ عذاب ان لوگوں کو ہوگا جو تصویر گری کا کام کرتے ہیں۔ آج کل کیمرہ کی صنعت جس عروج پر ہے وہ ایک المیہ ہے۔ دورِ حاضر کے بعض اہل قلم اسے تصویر مانتے ہی نہیں یہ گمراہی اور ضلالت ہے اس سے بچنا از بس ضروری ہے جلود سباع یعنی درندوں کی کھال کا کسی طرح بھی استعمال صحیح نہیں۔ اس سے صفات درندگی پیدا ہونے کا احتمال ہے اور بعض احادیث میں اس قسم کے اشارات موجود ہیں۔ تبرج کا مفہوم وہ بے پردگی اور بے قاعدگی جو [illegible]ت وآزادی کی ڈگر پر ڈال دے۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عورت کو کچھ ضوابط کا پابند [illegible] یا ہے۔ پردہ ایک [illegible]آنی حکم ہے اس کی آواز تک کو پردہ بتلایا گیا ہے اور اسے اس سلسلہ میں ہدایات [illegible] ہیں۔۔۔۔ آج کی صورت بڑی شرمناک ہے اکبر الٰہ آبادی کا ایک بہت اچھا شعر ہے جس میں [illegible] کے ساتھ استعمال کیا گیا ہے۔

بحرِ آزادی کیسا تموج آ گیا　　　قاصرات الطرف شوق تبرج آ گیا

غنا' گانا بجانا ہے' اور ظاہر ہے کہ یہ وہ شیطانی حربہ ہے جس کے ذریعے شیطان لوگوں کی گمراہی کا سامان کرتا ہے۔ گھر گھر اس قسم کی چیزوں کا اہتمام قرب قیامت کی نشانی اور غیرت کی بربادی ہے جس سے بچنا اور احتراز بہت ضروری ہے۔ ذھب' سونا ہے اور خز ایک خاص قسم کا ریشم اور حریر مطلق ریشم کو کہتے ہیں۔ مرد کے لئے ان چیزوں کا استعمال کسی طرح جائز نہیں۔ مستورات کے لئے جائز ہے بشرطیکہ وہ سونے چاندی کے زیورات کی باقاعدگی کے ساتھ زکوٰۃ ادا کریں ورنہ وہ مجرم ہوں گی اور قیامت کے دن اس عضو میں انہیں آگ کے زیورات پہنائے جائیں گے۔ جس جس عضو میں انہوں نے دنیا میں زیورات ڈالے اور زکوٰۃ نہیں دی۔

حلق یا قصر :

۴۲۔ عَنْ اِبْنِ عَبَّاس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اَنَّ مُعَاوِیَةَ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اَخْبَرَہٗ اِنَّہٗ رَاَیٰ رَسُوْلَ اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و اصحابہ وسلم قَصَرَ مِنْ شَعْرِہٖ بِمَشْقَصٍ فَقُلْنَا لِابْنِ عَبَّاسٍ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) مَابَلَغَنَا ھٰذَا اِلاَّ عَنْ مُعَاوِیَةَ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) فَقَالَ مَاکَانَ مُعَاوِیَةَ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) عَلٰی رَسُوْلِ اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ واصحابہ وسلم مُتَّھَمًا. (مسلم ج ا ص ۴۰۸، مسند احمد ج ۴ ص ۹۵)

سفر حج کے دوران حلق وقصر (سر منڈوانا یا کم کرانا) واجب ہے حج کے فرائض میں احرام، وقوف عرفات اور طواف زیارت تین چیزیں شامل ہیں جبکہ اس کے واجبات میں میقات سے احرام باندھنا، صفاومروہ کے درمیان سعی، زوال سے آفتاب ڈوبنے کے تھوڑی دیر بعد تک عرفات میں وقوف کرنا، وقوف مزدلفہ، سر منڈوانا، رمی جمار وذبح پر مقدم کرنا، ہدی کا ذبح کرنا، ہدی کے ذبح کو حلق پر مقدم کرنا اور ہدی کو ایام نحر میں ذبح کرنا شامل ہیں۔ (مسائل بہشتی زیور ص ۲۴۵)

جہاں تک سر منڈانے کا یا بال کٹوانے کا تعلق ہے یعنی حلق وقصر، تو قربانی کے معاً بعد ایسا کرنا ضروری ہے۔ یا تو پورا سر صاف کرانا چاہیے یا بال کٹوا لینے چاہئیں لیکن محدثین اور فقہا کے نزدیک پورے بال صاف کرانا زیادہ بہتر اور زیادہ فضیلت کا باعث ہے۔ عورتوں کو صرف انگلی کے ایک پورے کے برابر بال کترانے چاہئیں۔ یہ تو تھی اس سلسلہ میں مسائل کی تحقیق جس کو ہم نے حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ کی معرکۃ الآراء اور مشہور عالم کتاب ''بہشتی زیور'' کے خلاصہ ''مسائل بہشتی زیور'' سے نقل کیا ہے۔

ان مسائل سے آپ نے یہ تو سمجھ لیا ہے کہ حلق یا قصر دونوں سے کوئی کام کرنا ضروری ہے اور یہ بات حج کے واجبات میں شامل ہے تاہم جیسا کہ عرض کیا حلق زیادہ بہتر ہے۔ لیکن حضور نبی مکرم رحمت دو عالم، قائدنا الاعظم ﷺ نے قصر کرایا۔ یہ بات حضرت معاویہؓ نے ذکر فرمائی تو راوی نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے عرض کیا کہ ہم نے یہ بات محض حضرت معاویہؓ ہی سے سنی ہے؟ گویا وہ شخص تصدیق کرنا چاہتا تھا۔ اس پر حضرت ابن عباس علیہما الرضوان نے فرمایا کہ حضرت معاویہ علیہ الرضوان

حضور علیہ السلام پر تہمت تو نہیں لگا رہے۔ (وہ جو فرما رہے ہیں سچ ہی فرما رہے ہیں) حضور علیہ السلام نے آسانی اور سہولت کی خاطر مختلف اوقات میں دونوں ہی طریقے اختیار کئے تاکہ امت کے افراد پر آسانی ہو اور وہ آسانی سے جو کام کر سکیں کریں۔ یہ روایت مسلم اور مسند احمد کی معروف کتابوں میں ہے۔ اس کے علاوہ السنن الکبریٰ ج ۵ ص ۱۰۲ پر یہ روایت موجود ہے جس میں اس بات کی تصریح ہے کہ ایسا عمل حضور علیہ السلام نے عمرہ کے دوران کیا۔۔۔۔ صاحب الفتح الربانی اپنی کتاب کے ص ۱۹۰ ج ۱۲ پر لکھتے ہیں۔ اَنَّ اِبْنِ عَبَّاسٌ یَنْفِی التُّهْمَةَ عَنْ مُعَاوِیَةَ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه بِالْکِذْبِ عَلیٰ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالیٰ علیه و اله و اصحابه وسلم لِاَ نَّهٗ صَحَابِی و الصَّحَابَةُ کُلُّهُمْ عُدُوْلٌ کہ حضرت ابن عباسؓ نے اس بات کی نفی فرمائی کہ حضرت معاویہؓ نے حضور علیہ السلام کی طرف جھوٹ کی نسبت کی اور یہ اس لئے کہ حضرت معاویہ صحابی ہیں اور تمام صحابہ عادل ہیں۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) صاحب ''فتح ربانی'' نے حدیث کی روح پر گفتگو کرتے ہوئے بڑی خوبصورت بات ارشاد فرمائی۔ ایک عام مسلمان سرکار دو عالم قائد الاعظم علیہ السلام کے متعلق جھوٹ کی نسبت کہتے ہوئے ڈرتا اور شرماتا ہے اور یہ بات ویسے بھی سنگین جرم ہے۔ سرکار دو عالم (ﷺ) کا ارشاد ہے۔ مَنْ کَذَبَ عَلَیَّ مُتَعَمِّدًا فَلْیَتَبَوَّاْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ۔ جو شخص میری طرف جھوٹ کی نسبت کرے گا وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لے۔

اس سنگین جرم کا ایک عام مسلمان تصور نہیں کر سکتا چہ جائیکہ ایک صحابی رسول ﷺ اور ایسا صحابی جو کاتب وحی ہے جو حضور علیہ السلام کی دعا کے مطابق ہادی و مہدی ہے' خلیفہ راشد امام برحق ہے' امت کا محسن ہے' رسول ﷺ کا چہیتا عزیز ہے وہ غلط بات کی نسبت سرکارِ دو عالم ﷺ کی طرف کیسے کر سکتا ہے؟ حضرت معاویہؓ کی ذات عالی کے متعلق ترجمان القرآن حبرِ امت' مفسر قرآن حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے جو شہادت دی اس پر انہیں' سوچنا اور غور کرنا چاہیے اور اس دن کی پکڑ سے بچنا چاہیے جس دن سرکارِ دو عالم ﷺ اپنے عزیزوں اور دوستوں کی بے عزتی و توہین کا استغاثہ دائر کریں گے۔ تو کیا منہ دکھاؤ گے؟ وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆